ماہنامہ

دلیل راہ

لاہور

2008 ... 1429ھ

تبصرہ و تذکرہ

پھر اٹھا ہاتھ بہر دعا یا نبیﷺ
شاد ہو جائے خلق خدا یا نبیﷺ

لوٹ آئے مرے دیکھتے دیکھتے
دور عدل و مساوات کا یا نبیﷺ

حرمت خونِ انساں ہو سب پر عیاں
پھر چلے خیر کا سلسلہ یا نبیﷺ

پھر سدا فراز ہو امت آخریں
ختم ہو یورشِ ابتلا یا نبیﷺ

دور مایوسیوں کی شبِ تار ہو
مہر امید ہو رونما یا نبیﷺ

زندگی حق پرستوں پہ آسان ہو
پھر ہو ترویج مہر و وفا یا نبیﷺ

یہ وطن جو بنا ہے ترے نام پر
اس کے سر سے ٹلے ہر بلا یا نبیﷺ

صلی اللہ علیہ وسلم

حفیظ تائب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں"

اسلام انسان کو توہمات اور ظن وتخمین سے بے نیاز کر کے ایک اللہ کی بندگی اور حضورﷺ کی اطاعت ومحبت میں پرسکون زندگی بسر کرنے کے لئے یکسو کر دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ارشاد فرماتے تھے:

"کنتم احقر الناس ، کنتم ارذل الناس ، کنتم اقل الناس فاعز کم اللہ تعالیٰ بالاسلام"

تم لوگ سب سے زیادہ حقیر تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تمام لوگوں میں تم بدترین تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور لوگوں میں تھوڑے بھی تم ہی تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کے ذریعے عزت اور غلبہ عطا فرمایا۔۔۔۔۔۔۔۔!

رسول کریمﷺ کی غلامی نے وہ وقار بخشا کہ ذلت والے عزت والے بن گئے تھوڑے زیادہ ہوگئے اور بے مایہ لوگ زمین کے خزانوں کے مالک بن گئے اس کے لئے یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ پہلے لوگوں نے ادب، یکسوئی، عزت، توقیر، اخلاق، عبادت اور حضورﷺ کی سیرت سے استفادہ کی راہ اپنائی لیکن ہم لوگ حکمت اور دانائی اور فکر و دانش کی حقیقی سرچشموں سے منہ موڑ بیٹھے۔

ہمیں ایک ایسے اخلاق اور ادب کی ضرورت ہے جس سے ہمارے وجود میں مٹھاس محسوس کی جائے اور آخرت میں فلاح کی جنتیں آباد ہوں۔ حضرت امیر المؤمنین عمرؓ نے یروشلم فتح ہوا تو اس وقت کے پاپائے اعظم سے صلح اور امن کا معاہدہ کیا اور قلم بند کی جانے والی دستاویز میں لکھا۔

"اللہ کا عاجز بندہ اور مومنوں کا سپہ سالار عمر یروشلم والوں کو امن دیتا ہے۔ بیمار اور تندرست سب کو جان و مال، عبادت گاہوں اور صلیبوں کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے ان کے گرجے رہائشی مکانوں میں تبدیل نہ کیے جائیں نہ پائمال کیے جائیں۔ انہیں کسی طرح گھٹایا نہیں جائے گا اور نہ ہی ان کی املاک کو تباہ کیا جائے گا۔ مذہب کے معاملے میں ان پر کسی قسم کی سختی نہیں کی جائے گی اور انہیں کسی بھی قسم کا دکھ نہ پہنچایا جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اسلام زیادہ زور اس بات پر دیتا ہے کہ مسلمان خود اپنا طرز فکر اور طرز عمل بدلیں۔ اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں حضورﷺ سے قریب کریں۔ فلاح کی راہ یہی ہے۔

کہتے ہیں انسان میں تین خصلتیں آجائیں تو معاشرتی بے گانگی کا شکار نہیں ہوسکتا

مشکوک لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے

حسن آداب کا اظہار کرے

اور

کسی بھی شخص کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

کون ہے جو مجھ سے یہ چند باتیں لے لے پھر ان پر عمل کرے یا کسی ایسے شخص کو سکھادے جو ان پر عمل کرے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا:

یارسول اللہ! میں ہوں

آپ ﷺ نے حضرت کا ہاتھ پکڑا اور پھر پانچ چیزیں گنیں

حرام چیزوں سے بچو سب سے بڑے مجاہد بن جاؤ گے۔۔

جو روزی اللہ نے تمہارے لیے مقدر کی اسی پر راضی ہو جاؤ!

سب سے غنی آدمی بن جاؤ گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو مومن بن جاؤ گے

جو اپنے لئے پسند کرتے ہو دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو

مسلمان ہو جاؤ گے۔۔۔۔۔۔''

زیادہ نہ ہنسو اس لئے کہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔۔

بات ہو رہی تھی کہ مسلمان طرز فکر اور اسلوب حیات بدلیں۔ اسلامی معاشرے کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اس میں افراد اخلاقی اسلحہ سے قوت حاصل کرتے ہیں۔ اس میں وحدت انسانی کا مقصد خوب روشن ہوتا ہے۔ یہاں فخر وغرور کی بجائے عجز وانکساری سکھائی جاتی ہے۔ یہاں حقوق کے لئے ہڑتالوں کی بجائے فرائض کی ادائیگی پر زور دیا جاتا ہے۔ ایمانی اور اسلامی اقدار ہر مسلمان کو دانا اور پرہیزگار بنا دیتی ہیں یہاں دوسروں کی عیب چینی نہیں کی جاتی بلکہ پردہ پوشی کا مسلک اختیار کیا جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مومن سمجھدار

چوکنا

سوچ بچار کرنے والا

ثابت قدم رہنے والا

پرہیزگار

اور دین کا علم رکھنے والا ہوتا ہے

وہ عجلت باز نہیں ہوتا

جبکہ

منافق روبرو بھی اور پیٹھ پیچھے بھی عیب چینی کرنے والا ہوتا ہے

دوزخ کی آگ بھڑکانے کے لئے لکڑیاں اکٹھی کرنے والا

جانتا نہیں

کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا

یہ ساری باتیں صوفیائے کرام معاشرے میں اعمال کی روح بنا کر جاری کرتے تھے وہ خود بیچارے پریشان ہیں۔ ہمارے حکمران کچھ تو یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھوں بک چکے ہیں اور کچھ عیاشیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ علماء بدترین فرقہ پرستی کے مرض کا شکار ہیں۔ قوم اسے لگادو، اسے ہٹادو، لانگ مارچ، شارٹ مارچ، لوٹ گھسوٹ اور منفعت پرستیوں میں مبتلا ہے۔ شعراء دیدہ تر کی بے خوابیوں سے محروم ہیں۔ ادیبوں کے دل پوشیدہ بے تابیوں کو نوچ کر باہر پھینک چکے ہیں۔ ملی ترقی کی آرزوئیں جستجوئیں امیدیں اور امنگیں سب ڈھیر ہو چکی ہیں، مجاہدین کو آیات جہاد بھلائی جارہی ہیں لیکن جہاد ہی مسلمانوں کے مسائل کا آبرومندانہ حل ہے اور مرعوبیت ذلت ہے۔

قافلہ اسلام کی تباہی چاہنے والی طاقتیں اور قوتیں بھی یاد رکھیں کہ پر امن مسلمانوں کو چھیڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ قوت دار مسلمان فطرت کا غضب ہوتا ہے اور بے جان مسلمان نظام فطرت کو بچانے والی طاقت کا مدفن اس کے خمیر سے کسی بھی وقت غیرت اور خودی کی چنگاری سلگ سکتی ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾
الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ

ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے جن سے جنگ کی جاتی ہے بے شک اللہ ان مسلمانوں کی مدد پر خوب قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے بلاوجہ نکالے گئے محض اتنی سی بات پر کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ (الحج: ۳۹/۴۰)

آج اسلام سے دوری نے انسان سے انسانیت چھین لی ہے۔ انسانی وجود میں شیطان نے اپنے خونی پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ شرافت کی جگہ شرارت آگئی ہے۔ فسادات کی آگ آبادیوں کو جھلسا رہی ہے، امن عالم کے لئے ایٹم بم خطرہ نہیں خود انسانوں کی خودکشی کے لئے تیاری ہے۔ انسانوں کو بچانا ہی جہاد ہے اور بلاشبہ یہ جہاد مسلمان ہی کر سکتے ہیں۔

جہل خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے

دنیا بھر کے مسلمانوں کو اقبال کی آواز پر کان دھرنے ہی پڑیں گے۔ ان کی ایک ادبی مصوری کے کمال میں خفتہ قوم کو بیدار کرنے والی اذان بھی شامل ہے۔ اے کاش! کوئی سن لے

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکر فردا نہ کروں محو غم دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

اے اللہ میری قوم کو انسانی بہتری کے لئے قرآن کے ترانہ جہاد کو مسلک حیات بنانے کی توفیق عطا فرما۔

آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

سید ریاض حسین شاہ
مکہ مکرمہ۔ حجاز مقدس

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کررہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۃ القریش کی تفسیر پیش کررہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝١ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ
وَالصَّيْفِ ۝٢ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝٣
الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ
مِّنْ خَوْفٍ ۝٤

قریش کے دل میں الفت بٹھا دی (۱) انہیں سردی اور گرمی کے موسم میں سفر سے مانوس کر دیا (۲) پس انہیں چاہیے کہ وہ اس عظیم گھر کے رب کی خوب عبادت کریں (۳) وہ رب جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف کے وقت انہیں امن سے نوازا (۴)

رسول امن وامانت کے سینہ پر مکی زندگی میں نازل ہوئی اس کا ایک رکوع اور چار آیات ہیں۔

سورہ عظیمہ کا نام قریش ہے اور قریش نبی رحمت ﷺ کا قبیلہ ہے۔ ضحاک اور کلبی نے اس سورت کو مدنی سمجھا ہے جبکہ جمہور کی شہادت سورت کے مکی ہونے کی ہے، اگرچہ یہ سورت پہلی سورت کا توام ہے لیکن یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ دونوں ایک ہی ہیں۔ معانی میں مناسبت تامہ ہونے کے باوجود دونوں سورتیں الگ الگ ہیں اس امر کی قوی دلیل یہ ہے کہ صحیفہ عثمانی میں دونوں سورتوں کے درمیان فصل کے لئے بسم اللہ لکھی گئی ہے۔

سورت میں سات چیزیں عمود کی حیثیت رکھتی ہیں:

پہلی قریش کی تاریخ ہے۔ ایک عظیم قبیلہ جس میں آخری آسمانی قیادت کا ظہور ہونا تھا۔

دوسری بیت اللہ اور اس کی برکات ہیں۔

تیسری چیز ''مالک بیت'' کی شان ربوبیت ہے۔

چوتھی چیز تجارتی شاہراؤں پر گرفت کا مضبوط رکھنا تاکہ اقتصاد انتشار کا شکار نہ ہو۔

پانچویں چیز تمام موسموں سے حسب حال استفادہ کی نعمت ہے۔

چھٹی چیز رزق کی فراوانی اور امن کا میسر آنا ہے۔

ساتویں چیز جو مضامین سورت میں جان کی حیثیت رکھتی ہے عبادت ہے اور وہ بھی اکیلے رب کے سامنے سر نیاز جھکانا ہے۔

ابوالحسن قزوینی فرماتے ہیں:

جس شخص کو کسی دشمن یا کسی مصیبت کا خوف ہو اس کے لئے ''لا یلاف قریش'' کا پڑھنا امان ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ میرے شیخ حضرت مظہر جان جاناں نے خوف وخطر کے وقت مجھے اس سورہ شریفہ کے پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور بلاشبہ دفع مصیبت کے لئے یہ میرا آزمودہ نسخہ ہے۔ البتہ یہ بات مسلمہ ہے کہ فضیلتیں تو اسی شخص کے لئے ہوتی ہیں جو کعبہ کے پروردگار کو مانتا ہے اور اس کے سامنے سر جھکاتا ہے، اس کی عبادت کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے احکام عبادت کا پابند بنالیتا ہے۔

اصول قرآن تین ہیں، سورہ قریش میں توحید، رسالت اور صداقت اسلام کے عقیدہ کو نہایت اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

''رب البیت'' عقیدہ توحید کی وضاحت ہے۔

اور صرف یہی نہیں اللہ رب العالمین کی صفات بھی بیان کی گئی ہیں۔

''لایلاف قریش''، میں عقیدہ رسالت کی جھلک ہے۔ آپ کا قبیلہ، تولیت کعبہ اور مولد شریف کی تاریخ آپ ﷺ ہی کی تو تاریخ ہے۔

عبادت کا حکم ''نظام الاسلام'' کی بنیاد ہے۔ سورہ قریش میں عبادت کا حکم اس طرح دیا گیا ہے کہ اس کی برکات فیض کا سرچشمہ بن کر قاری قرآن کو مسحور کردیتی ہیں۔

سورت میں حسن، تقاطع اور جمال ترتیب سکون اور رحمت کا ''آب حیات'' ہے۔ پہلی آیت علم وادب کے افق پر ہلال بن کر نمودار ہوتی ہے اور اگلی آیات بدر منیر کے جلوے تقسیم کرتی ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے سورہ قریش کا قاری اپنے آپ کو کعبہ کی دہلیز پر لے جاتا ہے اور اسی جگہ اسے معراج کی رات اور عروج کے دن نصیب ہوجاتے ہیں۔

''رب البیـــــت'' کے سامنے جھکنے کا مزا ہی اپنا ہے وہ جمالیاتی لمحے کس قدر فیض بار ہوتے ہیں جب جبین سجدہ، دل طواف اور بدن اعتکاف کے مزے لے رہا ہوتا ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ

قریش کے دل میں الفت بٹھاوی

آیت کا عمود قریش اور ان کو دی جانے والی نعمتیں ہیں۔

حضور انور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات باتوں سے فضیلت بخشی

ان میں سے نبوت مجھے عطا کی گئی

ان میں خلافت رکھی گئی

خانہ کعبہ کی خدمت ان کے حصے میں آئی

حاجیوں کو زم زم پلانے کی عزت انہیں ملی

ہاتھی والوں کے مقابلہ میں یہ مدد دیئے گئے

اعلان نبوت کے چھٹے برس بعد تک جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ قریش ہی تھے

ان کے بارے قرآن کی پوری سورت نازل ہوئی۔

حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوگ خیر ہو یا شر قریش کے تابع ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قریش میں سے جب تک دو آدمی بھی رہیں گے یہ امر ان میں رہے گا۔

امام بخاری نے معاویہ ﷺ ہی سے روایت کی:

جب تک قریش دین پر قائم رہیں گے یہ امر انہی میں رہے گا اور جو ان سے دشمنی کرے گا اللہ اسے منہ کے بل گرا دے گا۔

(بخاری شریف)

امام ترمذی نے ایک حدیث روایت کی:

جو شخص قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا اللہ اسے ذلیل کر دے گا (ترمذی)

حضرت واثلہ ﷺ فرماتے ہیں

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمالیا۔

''قریش'' کا لغوی معنٰی:

اس لفظ کا اساسی معنٰی منتشر ہونے کے بعد پھر اکٹھا ہونا ہے۔ یہ قبیلہ پہلے سارے عرب میں پھیلا ہوا تھا۔

قصی بن کلاب نے انہیں مکہ مکرمہ میں جمع کر دیا۔

ابن منظور نے قریش کا معنٰی تجارت پیشہ قوم سے بھی کیا ہے۔ پیر کرم شاہ الازہری نے قریش کا معنی تفتیش اور تلاش بھی لکھا ہے۔ یہ قوم چونکہ زائرین کعبہ کے بارے میں تفتیش کرتی رہتی کہ ان کی ضرورتیں کیا ہیں۔ مقصد تفتیش زائرین کی مشکلات کو دور کرنا ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سمندری جانوروں میں طاقتور مچھلی قریش کہلاتی۔

یہ قبیلہ چونکہ سب پر غالب رہا اس لئے اسے قریش کہا جاتا۔

آیت کا تفہیم:

آیت کی تفہیم میں تین چیزیں قابل غور ہیں:

ایلاف سے پہلے لام کا مفہوم

ایلاف کا معنوی اطلاق

اور ایلاف قریش کے لیے ایک نعمت

لام پر مفسرین نے ایک رائے یہ دی ہے کہ ایلاف پر لام کا لانا تعجب کے لئے ہے۔ مفہوم تفسیری یہ ہوگا ہم نے ان کے لئے الفت و محبت کی راہیں استوار کیں اور ذرہ انہیں دیکھو کیسی کیسی ناشکریاں کر رہے ہیں۔

زمخشری نے کشاف میں اس لام کو تعلیل کا قرار دیا۔ ان کے نزدیک آیت کا مفہوم یہ ہوگا ان لوگوں کو رب البیت کی عبادت کرنی چاہئے۔ علت اس کی یہ ہے کہ اللہ نے انہیں الفت و ایلاف کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ بعض نے لام کو' فجعلکم کعصف ' سے متعلق مانا ہے اور یہ بھی درست ہے۔

ایلاف کیا ہے:

علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ ایلاف مصدر ہے جس کا معنٰی کسی شئی کی محبت یا اس کی طرف رغبت کے ہیں۔ مہروی نے لکھا کہ ایلاف سے

مراد قریش اور دوسرے بادشاہوں کے درمیان مختلف دفاعی اور تجارتی معاہدے ہیں۔ ہاشم نے شام کے بادشاہ کے ساتھ، مطلب نے کسریٰ کے ساتھ اور عبدالشمس اور نوفل نے مصر اور حبشہ کے حکومتی سربراہوں کے ساتھ معاہدات کر رکھے تھے۔ ایلاف کا معنیٰ الفت ہو یا انس ہو، گھل مل جانا ہو یا عہد و پیمان ہوں، اللہ نے قریش کو یہ نعمتیں عطا فرما رکھی تھیں

کعبہ کا مجاور ہونے کی بنا پر ان کا احترام تمام قبائل میں مسلمہ تھا۔

سماجی کاموں کی مہارت نے انہیں دانش اور شجاعت ہر دو نعمتیں دے رکھی تھی۔

بادشاہوں کے ساتھ عہد و پیمان کی تاریخ نے انہیں سکون بخش کاروبار سے نواز رکھا تھا۔ معاشی آسودگی ان کی مضبوط تولیت کی بنیاد بن چکی تھی۔

لوگوں میں گھل مل کر رہنا ان کی وسعت نظر اور وسعت دل کا سبب بن گیا تھا، وہ انسانیت کو قریب سے دیکھنے کے قابل بن چکے تھے۔

الفت و ایلاف کے باوجود ان میں دو مرض پیدا ہونے کے اندیشے تھے ایک استکبار اور دوسرا ناشکرا ہونا۔ سورہ قریش دیکھا جائے تو انہیں الفت یاد کروا کر ناشکری اور استکبار سے بچانا چاہتی ہے۔ یہی آیت کی لم، علت اور حقیقت ہے جو قاریٔ قرآن کو سمجھنی چاہیے۔

قریش کی یہ عظمت تھی کہ خود حضور ﷺ اور ان کا دودمانِ نور اسی قبیلہ میں سے تھا لیکن اسے بدقسمتی کہیے کہ یہی قبیلہ اسلام کا بدترین دشمن بھی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے تحریک رسول کو یہ دبدبہ بخش دیا تھا کہ قریش کی ریشہ دوانیاں دم توڑ گئی تھیں لیکن ان کے اندر رسول دشمن لوگ مخفی سازشوں کے جال بنتے رہے اور انہی کی کوششوں سے دردناک حوادث نے جنم لیا اور بنو امیہ اور بنو عباس کی طاغوتی حکومتیں انہی میں سے اٹھیں اور وہ کچھ انہوں نے کیا جو نہ کرنا چاہیے تھا حیف صد حیف یہ آسمان خلافت راشدہ کے بعد اسلام کی حقیقی شکل کسی حکومت کی صورت میں نہ دیکھ سکا۔

اگر سورہ قریش پڑھ لی گئی ہوتی

تو نہ علی تنہا ہوتے

نہ حسن مظلوم بنتے

اور

نہ حسین کربلا میں شہید ہوتے

لیکن حضور ﷺ کا ارشاد کیسے غلط ہوتا

لوگ اس معاملہ میں

قریش کے تابع ہیں

ان میں سے مسلمان

اور ان میں سے کافر (متفق علیہ)

یعنی مسلمان ان میں سے مسلمانوں کے تابع

اور کافر ان میں سے کافروں کے تابع

اللہ محمد ﷺ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن اور حسین کے نقوش پا سے محروم نہ کرے دین کی اصل تو یہی ہیں۔۔۔۔۔

اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ ۚ

انہیں سردی اور گرمی کے موسم میں سفر سے مانوس کر دیا

آیت ایلاف کا بدل ہے اللہ نے قریش کو جو مانوسیت، شیرازہ بندی، عزت، تولیت، اجتماع، تاریخ اور اثر و رسوخ کی نعمت بخشی تھی۔ اس کا ظہور جاڑے اور گرمیوں کے سفر تک میں ہوتا رہتا تھا۔

قبائل انارکی اور بحران کا شکار تھے۔ امن و امان کی حالت اچھی نہ تھی۔ ڈاکے اور لوٹ مار ہر طرف عام تھے لیکن بیت اللہ کے احترام میں قریش کو روحانی خدمت گار ہونے کی وجہ سے عزت دی جاتی تھی۔ یہ شام اور یمن کے درمیان بلا روک ٹوک تجارتی اغراض کے لئے آتے جاتے۔ ان کے کاروباری کاروانوں پر کوئی بندش نہ تھی۔ ان کا مال ہر منڈی میں پہنچتا۔ جس زمانے میں دوسرے قبائل کے لئے ایک میل سفر کرنا بھی مشکل تھا قریش کو تمام تجارتی گذرگاہوں پر کنٹرول حاصل تھا۔ قریش سردیوں کے موسم میں یمن کی طرف اپنا سامان تجارت بھیجتے اور

وہاں کا مال خرید کرلاتے اور گرمیوں کے موسم میں ان کی تجارت کا رخ شام کی طرف ہوجاتا۔

دونوں تجارتی شاہراہیں ان کے لئے کھلی تھیں سردی اور گرمی دونوں موسم اپنی خوشگوار فتوحات ان کی نذر کرتے روحانی پیشوائی کی دونوں نسبتیں انہیں حاصل تھیں کعبہ کے متولی بھی تھے اور زائرین کے خدمت گذار بھی اور یقیناً یہ سب نعمتیں اللہ ہی نے عطا کی تھیں اور ظاہر ہے یہ سورت ایک ذہنی تحریک تھی اور ایک باطنی دعوت جو قریش کا مقام تاریخ اور ان کا فرض منصبی یاد کرا رہی تھی۔

آیت کا اسلوب کتنا دلکش ہے۔

پہلے چھوٹے جملے کے ساتھ قریش کو وادی حیرت میں اتارا گیا تاکہ وہ بات سننے کے لئے پوری طرح تیار ہوجائیں اور یہ بھی کہ پہلے کسی چیز کا اجمال بیان کرنا اور پھر اس کی تفصیل بتانا بلاغت کے اعتبار سے مؤثر پیرایہ بیان ہے ایسے جیسے سورج دھیرے دھیرے طلوع ہوتا ہے اور دیکھتے دیکھتے ہی چھا جاتا ہے۔

لایلاف

سورج طلوع ہو رہا ہے

ایلفھم رحلۃ الشتا و الصیف

ہر سو اس سورج کی شعاعیں تیز ہو رہی

اور

"فلیعبدو"

سے دعوت کا سورج نصف النہار پر پہنچ چکا ہے۔

ہر طرف نور ہی نور،

ہر طرف روشنی ہی روشنی،

کہیں تاریکی کا نام ونشان بھی نہیں

فطرت کا صحیفۂ دعوت

ہر خاص وعام کے لئے کھل گیا ہے۔

اللہ رب العالمین ارشاد فرما رہا ہے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝

پس انہیں چاہیے کہ وہ اُس عظیم گھر کے رب کی خوب عبادت کریں

قرآن مجید میں اس سورت کا تقدم اور تاخر اسی "اوسط" کے لئے نازل ہوا۔ یہی وہ مرکز ہے جس کے گرداگرد سورت کی پوری کہکشاں گھومتی ہے۔ اسی پر سورت کا پورا زور ہے۔ تاریخ محض تاریخ بیان کرنے کے لئے نہیں بیان ہوئی۔ نعمتیں صرف احسان جتانے کے لئے بیان نہیں ہوئی ہیں، گرمی اور سردی کے سفروں کی تسخیر کی چابیاں ایک قوم کے ہاتھ میں صرف تجارت بڑھانے کے لئے نہیں تھمائی گئی ہیں بلکہ مقصد "عرفان ربی" ہے "عبادت باری" ہے۔ استکبار کی راہوں سے بچنا ہے، لاپرواہ اور غافل زندگی کی نحوستوں سے محفوظ رہنا ہے۔

کتنا بدبخت ہے وہ شخص

جو پانی میں رہ کر پیاسا رہے

جو مہر تابندہ کی دہلیز پر پہنچ کر بھی

کرن کرن روشنی کو ترسے

کتنے بدبخت ہیں وہ لوگ جو کعبہ کے مجاور بھی ہوں،

اس پر غلاف بھی چڑھاتے ہوں،

اسے آب زم زم سے غسل بھی دیتے ہوں،

حجر اسود کو چومتے بھی ہوں

لیکن ان کے دل ایک اللہ کی پہچان سے محروم ہوں،

ان کی پیشانیاں سجدوں کے لئے ترستی ہوں

وہ کعبہ کے پاس رہ کر بھی کعبہ والے سے آشنا نہ ہوں

اور وہ کعبہ کی برکتیں پا کر بھی

اپنے مالک اور خالق کی سپاس مندی سے

دور بہت دور جا پڑے ہوں

ایسوں کے لئے قرآن کی دعوت کتنی رسیلی ہے

بروقت ہے

چونکا دینے والی ہے

لفظ لفظ دل میں اترے

اور حرف حرف مشعل نور بن کر دلنشیں دعظ بن جائے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝

پس انہیں چاہیے کہ وہ اس عظیم گھر کے رب کی خوب عبادت کریں

قرآن مجید "مکرم معجز" ہے۔ اس میں بلاغت کے تمام پہلو انتہائی عروج پر رہتے ہیں۔ اس کی دعوات ذہین داعی کی برجستگی رکھتی ہیں معنوی عروج، لفظی حسن اور سادگی کے پیکر میں تاثیر کا سحر بے کراں معلوم ہوتا ہے۔ قریش پر روحانی، سماجی اور اقتصادی نعمتوں کا نزول قرآن حکیم موضوع بنا کر انہیں سپاس گذاری کی راہ ڈالتا ہے اور ساتھ ہی سریع لفظوں کے ساتھ ان کے لاشعور میں موجود عقیدہ کو "ظہور" کا جامہ پہنا کر اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ تم اس گھر کا رب کسی بت کو نہیں مانتے رب کو مانتے ہو جب تم خود اس گھر کا رب اسی ذات کو تسلیم کرتے ہو جس کی طرف داعی جدید اور "رسول خاتم" بلا رہا ہے تو پھر تمہیں ذہن اور دل کے تمام بت توڑ دینے چاہئیں اور اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہئے۔

قرآن حکیم میں اگرچہ ایک حاذق طبیب اور ماہر نفسیات کی حداقت موجود ہے لیکن اس کے احکام میں "اوامر" کی ترتیب خوب وضاحت رکھتی ہے کہ یہ "رب العلمین" کا کلام ہے۔

مختصر فقرے اور خوبصورت جملے کے ساتھ

کتنی واضح دعوت ہے

عبادت کرو

اس گھر کے رب کی

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

وہ رب جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف کے وقت انہیں امن سے نوازا

آیت ایک تذکیر ہے، یاد دہانی ہے، برہانی دعوت ہے اور تاریخی حقیقت ہے۔ قرآن پڑھنے والے کے نفس میں حیا پیدا ہوتی ہے، اس کا شعور اسے سمجھاتا ہے۔ رزق کون دیتا ہے؟ ایک ایسی قوم جو مکہ کی مہیب چٹانوں کے سائے میں رہتی تھی۔ وہاں لہلہاتے کھیتوں کی بجائے ہوا کی دوش میں ریتلے ذرات ہمہ وقت سنگ زنی کرتے رہتے۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے قافلوں کی گذرگاہیں دور ہٹی ہوتی تھیں۔ گرم سورج کی تیز شعاعیں صحرائی ذرات کو گرمی دے کر تنور بنائے رکھتیں۔ "بیت اللہ" کی تاریخ اور حضور ﷺ کے میلاد نے یہاں کے لیل و نہار ہی بدل دیے۔ قبلہ معظمہ کے احترام کی وجہ سے یہاں کے رہنے والوں پر اثرات انقلاب کی صورت اختیار کر گئے۔ دنیا کی ہر نعمت ابو قبیس، حرا اور ثور کے پہاڑی دروں میں سمٹ آئی۔

قرآن مجید نے قریش کو بھوک سے نجات کا تحفہ یاد کروایا اور جس امن کے ماحول میں وہ جینے لگے کتاب نے اس کی روحانی منطق اور اثر کا مطالعہ کرنے کے لئے کلام رحمت ان کی نظروں کے سامنے جلوہ فگن کر دیا۔

قرآن مجید پڑھنے والو!

کلام معجز سے دلوں کی فضا کو مطمئن بنانے والو!

''حروف وادوات'' کے معنوی اعجاز کی
تلاوت کرنے والو!
دو ہی نعمتیں ہیں جو قوموں کی تاریخ میں تشکیل ملت کا سبب بنتی ہیں۔
رزق کی فراوانی
اور خوف سے نجات
خطرات کی مہیب فضائیں اور خوف کے گہرے سائے بعض اوقات صنم پرستی کو جنم دے دیتی ہیں۔
اور اسی طرح رزق کی فراوانی بےخبر مدہوش اور بےشکر سوسائٹی پیدا کر سکتی ہے۔
سورہ قریش میں دعوت کا ثانوی عمود خوف سے نجات کا اصل مرجع تلاش کرنا ہے اور یہ پہچان پیدا کرتا ہے کہ رزق دیتا کون ہے؟ یہاں پہنچ کر سورہ قریش کی معنوی دنیا مکہ شریف اور حرم شریف کے ماحول کو روحانی امید تاریخی تجربہ گاہ بنا دیتی ہے جہاں سے انسانوں کو ہدایت ملتی ہے۔
اس رب کی عبادت کرو
جس نے قریش کو بےآب وگیاہ علاقے میں فراواں رزق نصیب کیا
اور قزاقوں اور وحشی حملہ آوروں کی موجودگی کے باوجود
خوف سے امن کا تحفہ عنایت فرمایا ہے۔
رب کریم!
عظیم لوگوں کی عظمت مآب روحانی گذرگاہ
سجدہ گاہ والفت
بیت اللہ العتیق
کی زیارت کا نصیب فرما______!!
رب البیت!
عبادت کی لذت دے
سجدوں کا سکون بخش
مقام ابراہیم کا لمس عنایت فرما______!!
اور
اس سجدہ گاہ رحمت کے طفیل
روحانی اور ظاہری
رزق میں فراوانی بخش
اور
اور خطرات اور حیات شکن خوف
کی ہر قسم سے نجات دے
ہم تیرے ہی تو ہیں______!!

کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ(صحیح بخاری جلد اول ص٦)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا(کامل)مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے(دوسرے)مسلمان محفوظ رہیں۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور آپ کے والد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں گویا دونوں باپ بیٹا شرف صحابیت کے حامل ہیں۔

اس حدیث کا بنیادی موضوع دین اسلام سے وابستہ لوگوں کو یہ بات باور کرانا ہے کہ اسلام، امن وسلامتی کا دین ہے اور جب کوئی شخص اسلام کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے تو وہ دہشت گردی، ظلم اور ایذا رسانی جیسے ممنوع اور قبیح کاموں کے قریب بھی نہیں بھٹکتا اور یہ بھی بتایا گیا کہ اسلام صرف زبانی اعلان یعنی کلمہ طیبہ پڑھنے کا نام نہیں بلکہ اس کے بعد حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اس کی اہم ذمہ داری بن جاتی ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو باب الایمان میں ذکر کیا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ ایمان میں داخل اور اس کا جزء ہیں۔ خوارج اور معتزلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ جو شخص گناہ کبیرہ مثلاً قتل، زنا، شراب نوشی وغیرہ کا مرتکب ہوتا ہے خوارج کے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور معتزلہ کہتے ہیں یہ شخص گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے لیکن چونکہ وہ ضروریات دین کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہے اس لئے اسے کافر نہیں کہہ سکتے گویا معتزلہ کے نزدیک وہ اسلام اور کفر کے درمیان ہوتا ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور زبان سے اقرار اسلام ہے اور اعمال ایمان کی حقیقت ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عدی بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کو(جو جزیرہ میں حضرت عمر بن العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے عامل تھے)لکھا:

''ایمان کے کچھ فرائض ہیں، کچھ احکام، کچھ حدود اور کچھ سنن ہیں جس نے ان کو مکمل کیا اس نے ایمان کو مکمل کیا اور جس نے ان کو مکمل نہ کیا اس کا ایمان مکمل نہیں(اور فرمایا)اگر میں زندہ رہا تو میں تمہارے لئے وضاحت کروں گا تاکہ تم ان پر عمل کرو اور اگر میں انتقال کر گیا تو مجھے تمہارے پاس رہنے کی زیادہ حرص نہیں'' (صحیح بخاری جلد اول ص٦)

شارح بخاری حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ان کا مطلب یہ ہے کہ جس نے فرائض اور دیگر امور کو مکمل کیا اس نے ایمان کو مکمل کیا تو ان کی مراد یہ ہے کہ یہ امور تکمیل ایمان کا سبب ہیں کیونکہ شارح نے ایمان کو کامل کرنے والی باتوں پر بھی ایمان کا اطلاق کیا ہے'' (فتح الباری جلد اول ص٣)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے پوچھا''اولم تو من'' کیا آپ کا(اس پر)ایمان نہیں؟ عرض کیا بلی(ہاں کیوں نہیں)''ولکن لیطمئن قلبی'' لیکن(اس لئے پوچھ رہا ہوں)کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو۔

حضرت امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس کا مطلب ہے کہ میرے یقین میں اضافہ ہو حضرت مجاہد فرماتے ہیں ''لازداد ایمانا مع ایمانی'' تاکہ میرے ایمان میں اضافہ ہو۔(ایضاً) گویا ایمان پہلے سے موجود ہے اس میں اضافہ مطلوب ہے''

حضرت امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ بات ثابت ہے تو ہمارے آقا ﷺ سے بھی یہی بات ثابت ہے کیونکہ آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم ہے'' (ایضاً)

گویا حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو واضح کیا کہ اعمال صالحہ تکمیل ایمان کا باعث ایمان کی حقیقت اعمال پر موقوف نہیں۔

لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ جو شخص دوسرے مسلمانوں کو زبان اور ہاتھ سے اذیت نہیں پہنچاتا وہ کامل مومن اور کامل مسلمان ہے لیکن اس نیکی سے محرومی کی وجہ سے وہ ایمان اور اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں اگرچہ ہاتھ اور زبان کے ساتھ اذیت پہنچانے سے منع فرمایا لیکن اس سے مراد محض اذیت پہنچانے سے روکا گیا ہے۔ چاہے وہ زبان اور ہاتھ سے ہو یا جسم کے کسی بھی عضو مثلاً پاؤں، سر وغیرہ زبان اور ہاتھ کا خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا گیا کہ عام طور پر اذیت رسانی کے لئے یہی دو عضو استعمال ہوتے ہیں۔

محدثین کرام فرماتے ہیں حدیث شریف میں لفظ "لسان" استعمال ہوا لفظ "قول" نہیں حالانکہ وہ اپنے قول سے اذیت پہنچاتا ہے لیکن رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں حکمت یہ ہے کہ لفظ "قول" استعمال کیا جاتا تو صرف گفتگو کے ذریعے اذیت رسانی ممنوع ہوتی جب بعض اوقات لوگ منہ سے بولے بغیر زبان نکال کر ان سے مذاق کرتے ہیں لہٰذا جب لفظ "لسان" (زبان) استعمال ہوا تو اس میں عموم پایا گیا۔ وہ اذیت گفتگو کے ذریعے ہو یا کسی دوسرے طریقے پر زبان استعمال کرے ہر طرح ممنوع ہوگا۔

اسی طرح لفظ "ید" کا لفظ دوسروں کے حق پر قبضہ کرنے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ گویا اس لفظ کے استعمال میں یہ نکتہ ہے کہ ہاتھ سے کسی کو مارے یا کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالے اور ناجائز قبضہ کرے ہر طرح حرام ہے۔

خطابی کہتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ تمام مسلمانوں میں افضل مسلمان وہ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد (دونوں قسم کے حقوق) کی ادائیگی کو جمع کرے۔ (فتح الباری جلد اول ص ۵۹)

امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد مسلمان کی علامت کو واضح کرنا ہو، وہ یہ بھی کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں، جس طرح منافق کی علامات بیان کی گئی ہیں" (ایضاً ص ۵۹، ۶۰)

مقصد یہ ہے کہ اگرچہ کلمہ پڑھنا مسلمان کی علامت ہے لیکن بعض اعمال وہ ہیں جو اس کے عملاً مسلمان ہونے کو ثابت کرتے ہیں جس طرح اس حدیث میں بیان ہوا اور کچھ اعمال ایسے ہیں جو اس کے عملی طور پر منافق ہونے کا ثبوت بنتے ہیں مثلاً جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، خیانت کرنا اور جھگڑے کے وقت گالی گلوچ کرنا۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہوسکتا ہے اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہو کہ بندے کا اپنے رب کے ساتھ معاملہ اچھا ہونا چاہیے کیونکہ جب اس کا معاملہ بندوں کے ساتھ اچھا ہوگا تو اپنے رب کے ساتھ بدرجہ اولیٰ اچھا معاملہ کرے گا" (ایضاً ص ۶۰)

اس حدیث کے حوالے سے بظاہر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس میں مسلمانوں کا ذکر ہے گویا کفار کو اذیت پہنچانے میں کوئی حرج نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں غالب حالت کا بیان ہے یعنی مسلمان کی حفاظت کی زیادہ تاکید کی گئی ہے اگرچہ کفار جو مسلمانوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتا بالخصوص جو مسلمانوں کے ملک میں امن حاصل کر کے سکونت پذیر ہوتے ہیں ان کو اذیت پہنچانا بھی مسلمان کے شایان شان نہیں ہے۔

یہاں بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں مثلاً حدود و تعزیرات کا نفاذ مطلوب ہو تو ہاتھوں سے مارا جائے گا۔ اسی طرح وہ کافر جو مسلمانوں سے لڑتے ہیں ان سے لڑائی لڑنا بھی اس حدیث کے خلاف نہیں۔

رسول کریم ﷺ امن کے پیغام بر بن کر تشریف لائے اور آپ نے جہاں قولی طور پر امن قائم کرنے کا حکم دیا، عملاً بھی اس معاشرے کو جہاں صدیوں سے لڑائی جاری تھی، امن و سلامتی کا گہوارہ بنایا اگر مسلمان آج بھی اپنے آقا ﷺ کے ان سنہری ارشادات پر عمل کرنا شروع کر دیں تو ہمارا معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے۔

ہماری کوتاہیوں اور بعض ناعاقبت اندیش قسم کے لوگوں نے اسلام کو بدنام کرنے کی ٹھان رکھی ہے اور وہ اپنے عمل سے غیر مسلموں کو دین اسلام کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈہ کا موقع فراہم کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے ہر عضو کو نعمت بنایا اور ان اعضاء کے صحیح استعمال کی تلقین فرمائی اور نہ قرآنی حکم کے مطابق وہ اعضاء جو شریعت اسلامیہ کے مطابق کام نہیں کرتے صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (بہرے، گونگے اور اندھے) قرار دیئے گئے۔

زبان اور ہاتھ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں ان کو ایذا رسانی کی بجائے نفع بخش بنایا جائے

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اسلام کی کونسی خصلت بہتر ہے آپ نے فرمایا کھانا کھلانا اور سلام کرنا چاہے تم اس کو (جسے سلام کر رہے ہو) پہچانتے ہو یا نہیں (صحیح بخاری جلد اول ص ۶)

حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ حدیث اور اس حدیث میں فکر انگیز مطابقت ذکر فرماتے ہیں:
آپ فرماتے ہیں کھانا کھلانا ہاتھ کی سلامتی کو مستلزم ہے (یعنی ہاتھ سلامت ہوں گے تو کمائے گا اور جب کمائے گا تو دوسروں کو کھلائے گا) اور سلام کرنا زبان کی سلامتی کو مستلزم ہے۔

انہوں نے یہ بات کرمانی سے نقل فرمائی (فتح الباری جلد اول ص ۶۲)

گویا یہ بتایا گیا کہ ہاتھوں اور زبان کو اذیت پہنچانے کی بجائے دوسروں کو نفع پہنچانے کے لئے استعمال کرو۔

قرآن مجید کا اعلان ہے لئن شکر تم لا زیدنکم (سورۂ ابراہیم آیت ۷)

اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید نعمتیں عطا کروں گا۔

اس بنیاد پر ہاتھوں اور زبانوں کو انسانوں کو نفع پہنچانے کے لئے استعمال کرنا شکر خداوندی ادا کرنا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان اعضاء کی سلامتی کی نعمت سے بہرہ ور ہو گا اور ان اعضاء کو ایذا رسانی کے لئے استعمال کرنا کفران نعمت ہے، جس کے نتیجے میں ان اعضاء سے محرومی یا نقصان کا احتمال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دوسروں کو اذیت پہنچانے کی بجائے ان کی نفع رسانی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆

العرفان

محمد عبدالقدیر صدیقی قادری حسرت

سابق پروفیسر و صدر شعبہ دینیات
عثمانیہ یونیورسٹی

علامہ عبدالقدیر صدیقی برصغیر ہند و پاک کے نامور عالم دین، فلسفے کے معتبر معلم اور قرآن حکیم کے مسلمہ مفسر ہیں۔ تفسیر صدیقی کے نام سے قرآن حکیم پر تحقیقی اور تفسیری کام کیا ہے۔ پاکستان میں ان پر بہت کم لکھا گیا۔ اصطلاحی اور عملی تصوف کا انہیں شہر یار کہا جا سکتا ہے۔ "**العرفان**" تصوف اور حکمت کا شہکار مجموعہ مضامین ہے۔ علمائے قدیم کی طرز پر تفہیم تصوف کے لئے "العرفان" قسط وار شائع کی جا رہی ہے ـــــــــــــــ

حصہ دوم

شیون واعیان ثابتہ:

یہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ مرتبۂ وحدت میں ہر قسم کی کثرت کی قابلیت ہوتی ہے۔ ان قابلیتوں کو شیون کہتے ہیں۔ شیون دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) شیون الہیہ (۲) شیون خلقیہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو جانتا ہے۔ مرتبۂ وحدت میں شیونِ الہیہ ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوقات کو جانتا ہے یہ مرتبۂ وحدت میں شیونِ خلقیہ ہے۔

مرتبۂ واحدیت میں شیون الہیہ حقائق الہیہ کہلاتے ہیں اور شیونِ خلقیہ حقائق ممکنات یا طبائع جائزات سے موسوم ہوتے ہیں۔ تمام حقائق الہیہ کا جامع اسم، اسم اللہ ہے، یا یوں کہو کہ مرتبۂ الوہیت ہے کہ اس کا عبد یا مربوب حقیقت جامعۂ ممکنات یا عین ثابتۂ اعظم یا عین محمدی ہے۔

مرتبۂ الوہیت کی تفصیل تمام اسماء الہیہ اور عین محمدی کی تفصیل تمام اعیان ثابتہ۔ اسماء وصفات میں سے تمام اسماء کا مبداء حیات ہے اور اسم حی تمام اسماء کا پیشرو ہے۔ اسم حی کی تفصیل علیم، سمیع، بصیر، قدیر، مرید، کلیم ہیں۔

اسم علیم: تمام اسماء پر حاکم اور تمام عوالم کا اسی پر دارومدار ہے اسم علیم کی تفصیل جا بجا کی جائے گی۔

بصیر: کے ذریعے سے تمام اعیان یعنی معلومات الہیہ باہم ممتاز ہوتے ہیں۔

سمیع: کے ذریعہ سے عین ثابتہ کے اقتضاؤ کا علم ہوتا ہے۔

قدیر: کے ذریعہ سے قدرت بطور کلی عین کے اعطاء وجود کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

مرید: کے ذریعہ سے قدرت بطور خاص عین کے اعطاء وجود وخلق اور اُس کے اقتضاءات کے نمودار کرنے کی طرف توجہ کرتی ہے۔

کلیم: عین ثابتہ کو کُن سے خطاب فرماتا ہے اور وہ خلعتِ وجود سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

کُن سے جو شۓ حاصل ہوتی ہے وہ امر حق وکلمۃ اللہ ہے۔ سب سے پہلے کلمۃ اللہ روح بنتا ہے اسی لئے عالم ارواح کو عالم امر کہتے ہیں۔ (حکمت اسلامیہ ص ۴۳ تا ۴۴)

حقائق کونیہ وحقائق الہیہ:

حقائق دو قسم کے ہوتے ہیں ایک یہ کہ اللہ اپنی صفات کو سمجھا اور دوسرے یہ کہ مخلوقات کی حقیقتوں کو سمجھا۔ یہاں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک عالمیت اور دوسری معلومیت کی۔ عالمیت حقائق الہیہ سے ہے۔ پھر معلومیت میں بھی وہ معلومات جو اللہ کی صفات ہیں وہ بھی حقائق الہیہ کہلائیں گی اور وہ معلومات جو حقائق اشیاء ہیں حقائق کونیہ کہلائیں گی۔

حقائق کونیہ سے مراد بندوں اور مخلوقات کی معلومات یعنی وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ نے جانا۔ میرے خیال کے مطابق حقائق کونیہ کبھی حقائق الہیہ نہیں بنتے۔ حقائق کونیہ، معلومات ممکنہ ہیں۔ عالمیت الگ چیز ہے معلومیت الگ، "معلومیت" "عالمیت" کیسے ہو جائے گی؟

مخلوقات کو جاننا اللہ کی طرف نسبت رکھتا ہے۔ اسے حقائق الہیہ کہیں گے اور خود وہ چیز یعنی مخلوقات حقائق کونیہ کہلائیں گی۔ ذات الٰہی سے جو سب کا منشاء ہے۔ علمِ الٰہی میں متنشی ہونے کے لحاظ سے پہلے حقیقت شۓ ہے اور بعد علم، مگر یہ تقدم وتاخر سب اعتباری ہے۔ حقیقت شۓ ذاتِ الٰہی سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ اس سے مراد ذاتِ الٰہی کا ایسا ہونا کہ اس سے کوئی چیز سمجھ میں آسکے، انتزاع کی جاسکے۔ یہ صحیح ہے کہ اس مقام پر ابھی بندے اور مخلوقات علم ہی کے مرتبہ میں ہیں لیکن یہاں بھی انہیں مخلوق ہی کہیں گے۔ کیونکہ اللہ نے اشیاء کو ان کی حقیقت کے مطابق جانا۔ بندہ کو بندہ سمجھا اور مخلوق کو مخلوق۔ علم الٰہی میں بھی۔ بندے کی حقیقت سے غیریت ہے اگرچہ کہ وہ پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اس وقت بھی اس کی حقیقت کا اقتضا یہی ہے کہ وہ مخلوق ہو۔ بندہ بندہ ہے خدا خدا، گو سب چیزیں احدیت ذات ہی سے نکلی ہیں لیکن پھر بھی بندہ کی حقیقت احتیاج ذاتی ہے۔ احتیاجِ ذاتی نہ ہوتا تو وہ کبھی پیدا ہی نہ ہوتا۔ اُس کی یہ حقیقت حقائق الہیہ میں کیوں کر شمار ہو سکتی ہے۔ (تفہیمات صدیقی ص ۲۰۱)

علم:

دنیا میں سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو خود کو عالم اور واجب جَلّ مجدہ کو جاہل سمجھے۔ ممکن جس کا وجود بالعرض ہے۔ اُس کی کونسی شۓ کونسی صفت بالذات ہو سکتی ہے۔ لا حول ولا قوة الا بالله پس نہ علم ممکن کے لئے بالذات ہے نہ قدرت لہذا علم وقدرت، واجب جَلّ مجدہ کے لئے بالذات ہونگے۔ ظاہر ہے کہ ذاتی چیز، صفت، ذات سے جدا نہیں ہو سکتی۔ پس حیات وعلم وقدرت، نیز خدائے تعالیٰ کے اور جتنے صفات ہیں۔ سب خدائے تعالیٰ کے لئے ازلی وابدی ہیں۔ ان نادانوں کی سمجھ میں کیا اتنا نہیں آتا کہ تمام کمالات کا منبع "وجود" ہی ہے جو کچھ

ہے وہ وجود ہی کے ظہورات ہیں۔ پس جو شئے وجود میں نہ ہوگی۔ وہ موجود ہی نہ ہوگی ذاتِ واجب جو عین وجود ہے اُس کے وجود سے سب کا وجود ہے اُس کی حیات سے سب کی حیات ہے اُس کے علم سے سب کا علم ہے۔ اس کی قدرت سے سب کی قدرت ہے۔

ہمارے پاس "پہلے پہل کی سنیوں پہلی۔ سوتی تھی رنگ محل میں اکیلی" نہیں ہے۔ "لا تأخذه سنة ولا نوم" ہے۔

واضح ہوا کہ علمِ الٰہی کے مختلف اطوار ہیں، جدا جدا اعتبارات ہیں مرتبۂ احدیت میں علم عین ذات ہے۔ ذاتِ حق نورِ محض ہے۔ ظلمت کو وہاں رسائی نہیں۔ علم ہی نور ہے۔ جہل ظلمت ہے۔ اس مرتبے میں وہی عالم ہے، وہی معلوم ہے، وہی شاہد ہے، وہی مشہود ہے وہی شہود ہے۔ وہی واحد ہے، وہی موجود ہے اور وہی وجود ہے یہاں بالکل غیریت کی گنجائش نہیں۔ اس مرتبے میں علم کا نام نور اور علمِ ذاتی ہے۔ الله نور السمٰوات والارض۔

مرتبۂ واحدیت جو اسماء وصفات کا مرتبہ ہے اُس میں علم کا مرتبہ حیات کے مرتبے کے بعد ہے اور قدرت کے مرتبے سے پہلے ہے۔ علم حیات پر متفرع ہے اور قدرت علم کی تابع ہے اس مرتبے میں عالم ومعلوم میں غیریت اعتباری آجاتی ہے۔

علم میں ذواتِ ممکنات کے نمایاں ہونے کو موجود ومخلوق ومنشاءِ آثار ہو جانا ضرور نہیں۔ کیونکہ وہ کُن کے بعد مخلوق ومنشاءِ آثار ہو نگے۔ اس مرتبے کے علم کو علمِ تفصیلی فعلی کہتے ہیں۔ اسی پر حکمتِ الٰہی کا مخلوقات کے علمِ الٰہی میں باہم ممتاز ہونے کا، عدمِ اضطرار کا دارومدار ہے۔ اسی مرتبے میں اللہ تعالیٰ عینِ ثابتہ پر اسمائے الٰہی کی تجلی فرماتا ہے۔ کُن کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ موجود فی الخارج ہوتا ہے۔ انما قولنا لشيء اذا اردنا ان نقول له كُنْ فيكون۔

اب علم کا ایک اور مرتبہ رہ گیا۔ اور وہ علم انفعالی ہے۔ یعنی مخلوقات جس جس عالم میں پہنچتے جائیں گے علمِ الٰہی اُن سے متعلق ہوتا جائے گا۔ اِس علم کا تعلق مخلوقات وحوادث سے ہونے کی وجہ سے خود علم حادث معلوم ہوتا ہے مگر اس تعلق یا ظہور کے حدوث سے علمِ قدیم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جس طرح کہ "وجود" جو عینِ ذاتِ حق ہے مخلوقات کی طرف نسبت پاتا ہے تو حادث معلوم ہوتا ہے اور وجودِ بالعرض کہلاتا ہے ولمايعلم الله المجاهدين منكم والصّابرين. (حکمت اسلامیہ ص ۴۴)

معلوم:

(سوال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے (مخلوقات کو) جان کر پیدا کیا یا پیدا کر کے جانا؟ پیدا کر کے جانا تو پہلے جہل لازم آئے گا۔ اس کا علم تو قدیم ہے۔ کم ہوا نہ زیادہ۔ اس لئے پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ ہر چیز کی صلاحیتوں کو جانتا تھا۔ یہی حقائق اشیاء جنہیں اللہ تعالیٰ نے جانا "اعیان ثابتہ" کہلاتی ہیں۔ (تفہیمات صدیقی ص ۳)

کُن کا حکم اعیان کو ہوا۔ کُن کے بعد مخلوقات پیدا ہوئے۔ لہذا اعیانِ ثابتہ ذاتِ الٰہی ومرتبۂ داخلی کے اندر ہیں اور مخلوق نہیں۔ (حکمت اسلامیہ ص ۴۴)

عین ثابتہ موجود نہیں اس کے کیا معنیٰ ہیں؟

شیخ (محی الدین ابن عربی) کے پاس وجود اور ثبوت میں فرق ہے ہم جسے "وجودِ علمی" کہتے ہیں، شیخ اسے "ثبوت" کہتے ہیں۔ چونکہ عین ثابتہ کو وجود کی بُو تک نہیں لگی ہے اس لئے شیخ اس کو وجودِ علمی بھی نہیں کہتے بلکہ اس کے لئے ایک نیا لفظ "ثبوت" استعمال کرتے ہیں۔

عین ثابتہ کلی ہے یا جزئی؟

ایک مکتب خیال یہ ہے کہ جزئی ہی پائی جاتی ہے۔ کلی انتزاعی چیز ہے۔ جزئیات کو دیکھ کر کلی کا انتزاع کرتے ہیں اس لئے عین ثابتہ جزئی ہے۔

دوسرا مکتب خیال کہتا ہے کہ کلی ہی پائی جاتی ہے جزئی انتزاعی ہوتی ہے خیالی چیز نہیں پائی جاتی، حقیقی چیز ہی پائی جاتی ہے۔ زید، بکر، عمر سمجھنے کی چیزیں ہیں۔ ان سب میں انسانیت جو مشترک ہے، وہی حقیقی ہے۔ اس لئے انسانیت ہی پائی جاتی ہے۔ اس طرح عین ثابتہ کلی ہے۔

تیسرا مکتب خیال یہ ہے کہ ایک حیثیت سے کلی ہے اور ایک حیثیت سے جزئی۔ عین ثابتہ جزئی ہے مگر اس میں یہ قابلیت ہے کہ اس سے بہت سی چیزیں انتزاع کر سکتے ہیں۔ ہر انتزاع کے ساتھ ایک خاص بات سمجھ میں آتی ہے، اصل میں ایک ذات ہے جو نا قابلِ تکثر ہے اب اس کی بعض حالتوں کو دیکھ کر اس کی چند خصوصیتیں سمجھ میں آئیں۔ ہر خصوصیت کے ساتھ ایک عین ثابتہ ہے اِس طرح ذات کلی ہوئی اور مختلف اعیان ثابتہ اس کے جزئیات ہیں اور ان سب کا منشاء ومنتزع عنہ وہی ذاتِ واحد۔ لیکن پھر ہر عینِ ثابتہ کی اپنی خصوصیات بھی ہوتی ہیں۔ یہ تمام خصوصیات اس کی جزئیات ہیں اور خود عین ثابتہ ان خصوصیات کا منشاء ہونے کے اعتبار سے کلی ہے۔ عین ثابتہ کو جیسے جیسے تعین

عارض ہوتا جائے گا، ویسے ویسے خصوصیات جو اُس کی جزئیات ہیں نمایاں ہوتی جائیں گی۔ جیسے کہ زید ایک کلی ہے اب اُس سے زید کا بیٹھا ہونا، کھڑا ہونا سب کچھ سمجھ میں آرہا ہے۔ یہ انتزاعات زید کی جزئیات ہیں۔ حالانکہ اس سے اوپر کے درجہ میں خود زید کسی بڑی کلی سے منتزع اور اس کی جزئیات میں سے ہے۔ لہذا عین ثابتہ اپنے تعینات کے اعتبار سے کلی ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے جزئی ہے (تفہیمات صدیقی ص ۳۔۴)

معلوم اعظم:

تمام حقائق الٰہیہ کا جامع اسم اللہ یا مرتبہ الوہیۃ ہے اس کا عبد یا مربوب، حقیقت جامع ممکنات یا عین ثابتۂ اعظم یا عین محمدی یا عین الاعیان یا معلوم اعظم ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۲۵)

عین ثابتۂ محمدی کی حقیقت: حقیقت محمدی میں زید، بکر، عمر یہ سب جزئیات ہیں۔ انسان، حیوان، جسم یہ سب کلیات ہیں۔ اسی طرح اعیان ثابتہ کا بھی حال ہے کہ بعض ان میں جزوی حقیقی ہیں اور بعض کلی۔ کلیات میں بھی بعض چھوٹی کلی ہوتی ہے۔ اور بعض بڑی۔ مثلاً انسان چھوٹی کلی ہے اور حیوان بڑی کلی۔

اعیان ثابتہ میں بھی بعض چھوٹی کلی ہیں اور بعض بڑی کلی ہیں سب سے بڑی کلی کو ہم عین الاعیان کہیں گے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۱۱)

یہ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ایک دوسرے سے ممتاز طور پر جانتا ہے۔ ہاتھی کو ہاتھی جانتا ہے، گھوڑے کو گھوڑا، کافر کو کافر، مسلمان کو مسلمان، جیسی چیز ہوگی ویسے ہی جانے گا۔ جزئی اور شخصی کو جزئی اور شخصی جانے گا۔ کلی کو کلی، عام کو عام خاص کو خاص۔ عام کی حقیقت میں بہت سے خاص کی گنجائش ہے۔ دہائی میں کئی اکائیوں کی گنجائش ہے۔ سینکڑے میں کئی دہائیوں کی اور ہزار میں کئی سو کی۔ جو سب سے زیادہ عام عین ثابتہ ہوگا اس میں سارے عالم کی گنجائش ہوگی ہم اس کو "عین الاعیان" کہتے ہیں۔ (صدائے معرفت حق ص ۱۰)

عین ثابتۂ محمدی کو جو پھیلاؤ نصیب ہے۔ وہ اور کسی کو نہیں عین الاعیان یعنی عین ثابتۂ محمدی باعتبار ذات خداوندی کے جزئی ہے لیکن اُسے جیسے جیسے تعین عارض ہوتا گیا ایک نیا عین ثابتہ پیدا ہوا۔ اسی طرح سینکڑوں جزئیات پیدا ہوئیں۔ اس لحاظ سے عین ثابتۂ محمدی کلی بھی ہے۔ ذات الٰہی سے ہمیشہ عام تر چیز آئے گی پھر خاص ہوگی پھر اُس سے بھی خاص ہوگی حتیٰ کہ ہر آن ایک خاص چیز آئے گی یہ تمام چیزیں اور جزئیات اُسی عین الاعیان سے پیدا ہوئیں۔ عین الاعیان دوسرے تمام اعیان کو سمو لیتا ہے۔ (تفہیمات صدیقی ص ۵۰۴)

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عین الاعیان گو تمام اعیان کو شامل ہے۔ مگر وہ فی حد ذاتہ جزئی حقیقی ہے۔ اس پر اور غور کرو تو معلوم ہوگا کہ عین الاعیان کے دو تشخص ہیں (۱) ایک تشخص ذاتی کہ اس کی ذات ایک ہے (۲) دوسرا تشخص عارضی، باعتبار اعیان ثابتہ کے اس کو جو کلیت عارض ہوتی ہے وہ عام اعیان کا لحاظ کرتے ہوئے ہے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جب تک عین ثابتہ پر اللہ تعالیٰ کے اسماء، صفات کی تجلی نہ ہوگی عین ثابتہ موجود نہ ہوگا۔ پس اعیان ثابتۂ جزئی پر تجلی اسماء الٰہی جزوی طور پر توجہ فرما ہوگی۔ پس ایک عین پر جو تجلی ہے، وہ دوسرے عین پر ہرگز نہیں ہوتی ورنہ دو عین کے دو جدا جدا ظہور نہ ہوتے۔

دیتا ہے ہر ایک کو حکیم
جس کی جیسی لیاقت ہے

(حسرت)

جتنی انگوٹھی ہوگی اتنا ہی نگ بھی ہوگا اب رہا عین الاعیان جو تمام اعیان کو شامل اور اُن کو حاوی ہے۔ اُس پر جو تجلی ہوگی وہ تمام تجلیات کو حاوی ہوگی۔ اسی کو "شان الوہیت" کہتے ہیں۔ ان صوفیہ کے پاس تجلی کو "رب" اور عین ثابتہ کو "مربوب" کہتے ہیں۔ جو تجلی عین الاعیان پر پرتو افگن ہے اُس کو "رب الارباب" اور "تجلی اعظم" کہتے ہیں۔ اور عین الاعیان کو "عبداللہ" یا "مربوب اعظم" کہتے ہیں ہمارے خیال میں عین الاعیان اور عبداللہ ہی "حقیقت محمدی" ہے۔ اور اللہ جو رب الارباب ہے تجلی اعظم ہے۔ مستجمع جمیع صفات کمالیہ ہے۔ حقیقت محمدی پر تجلی فرماتا ہے۔ عین الاعیان تو نظر نہیں آتا" کیونکہ لَمْ یَشُمَّ رَائِحَةَ الْوُجُوْدِ یعنی عین کو وجود کی ہوا تک نہیں لگی" ان دونوں کے ملنے سے وجود خارجی اعظم، جامۂ وجود پہنتا ہے اس واسطے بعض حضرات اس مرکب کو حقیقت محمدی کہتے ہیں۔ ان کی نظر دینے والے پر ہے لینے والے پر نہیں۔ ان کو اس حدیث پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اِنَّمَا انا قاسم واللہ یعطی (متفق علیہ) حق تو یہ ہے کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے" لینے والے اور دینے والے میں امتیاز نہ کرنا درست نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت محمدی، لینے والا عبداللہ ہے اور دینے والا اللہ ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۱۱۔۱۲)

واضح ہوا کہ لفظ اللہ کو دو جگہ استعمال کرتے ہیں۔ایک مرتبۂ ذاتِ حق۔دوم مرتبۂ الوہیت، جو جمیع صفات کمالیہ مؤثرہ کا اجمال ہے۔
مرتبۂ ذاتِ حق عین وجود ہے، اجمال ہے، مابہ الموجودیۃ ہے۔اس کے مقابل کوئی شئی نہیں۔اگر کوئی مفہوم اس کے مقابل ہے تو وہ عدم ہے جو موجود نہیں ہو سکتا۔پس ذات کے معنی کے لحاظ سے نہ اللہ کے کوئی مقابل ہے، نہ اس کا کوئی مظہر ہے۔
مرتبۂ الوہیت جو مستجمع جمیع صفاتِ کمالیہ ہے اس کے لحاظ سے اللہ کے مقابل عبداللہ ہے، الوہیت میں تاثیر اور فعلیت ہے تو عبودیت میں تاثر پذیری اور انفعال۔الوہیت میں استغناء ہے تو عبودیت میں احتیاج و افتقار۔
ہر چند کہ ہر ممکن اپنی ذات و حقیقت کے لحاظ سے کچھ بھی وجود نہیں رکھتا یعنی اس کا وجود ذاتی نہیں، بالعرض ہے۔ممکن اپنی موجودیت کے زمانے میں بھی اپنے عدم ذاتی سے کبھی باہر نہیں نکلتا۔چودھویں رات کا چاند جب خوب تاباں و درخشاں ہو پھر بھی اپنی ذات و حقیقت کے لحاظ سے کالا، بے نور ہی ہے یعنی اس کے لئے ظلمت ذاتی ہے۔العبد و ما ملکت یداہ لمو لاہ ۔تاہم عبداللہ وہ ہے جس میں تمام کمالات الٰہیہ تاباں و نمایاں ہوں۔جس آئینہ پر ذاتی نقش و نگار نہ ہو، کوئی داغ دھبہ نہ ہو، خود نظر نہ آئے وہ بے شک خورشید جہاں تاب کو دکھا سکتا ہے۔جو کچھ نہ رکھے وہ سب کچھ کا مالک ہو جاتا ہے۔سب اس کو غنی سمجھتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو سراپا احتیاج سمجھتا ہے۔یہ علم صحیح ہی اُس کو خلیفۃ اللہ بنا دیتا ہے۔

اے ذاتِ تو مجمع الکمالات
میں بھی ہوں کمال بے کمالی

(حسرت)

(حکمت اسلامیہ ص ۲۵۔۲۶)

(حضرت نے اعیانِ ثابتۂ مخلوقات اور عین ثابتۂ اعظم یا عینِ محمدی یا عین الاعیان کو ایک مثال کے ذریعہ المعاروف حصہ چہارم میں اعیان ثابتہ کے عنوان کے تحت عام فہم انداز میں اس طرح سمجھایا ہے۔(للمرتب)

"آفتاب عالم تاب ساری دنیا کو اپنے نور سے درخشاں کر رہا ہے سامنے ایک قد آدم آئینہ ہے۔جلبی تو نہیں لگی ہے۔بڑے آئینہ کے آگے بھی چھوٹے چھوٹے آئینے ہیں۔آفتاب کا نور بڑے آئینہ پر اور بڑے آئینہ سے دوسرے آئینوں پر پڑتا ہے چھوٹے آئینے بھی مختلف سائز کے ہیں بعض صاف روشن ہیں۔جو بڑے آئینے کے نور کو پوری درخشندگی کے ساتھ منعکس کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جو شخص اس کے سامنے جاتا ہے کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔یہ چھوٹے آئینے کیا ہیں؟ ایک لافنگ گیلری ہے کہ آدمی کسی میں چھوٹا اور موٹا نظر آتا ہے اور کسی میں لمبا دبلا۔کسی میں بایاں سیدھا اور سیدھا بایاں نظر آتا ہے۔بعض میں جوں کی توں صورت نظر آتی ہے اور دیکھنے والے کی نظر کو اپنی چمک دمک سے خیرہ کرتی ہے۔بعض میں نہایت بھیانک اور خوفناک چہرہ دکھائی دیتا ہے۔

سمجھے یہ کس کی مثال ہے؟ بلا تشبیہ آفتاب عالمتاب سے خدا کا نور مراد ہے اللہ نور السموات والأرض اور قد آدم آئینہ محمد عربی ﷺ۔ یہ چھوٹے چھوٹے آئینے اعیان ثابتہ ہیں، حقائق اشیاء ہیں، معلوماتِ الٰہیہ ہیں۔طبائع جائزات ہیں۔آفتاب عالمتاب یا قد آدم آئینہ یعنی رسول خدا ﷺ سے جو نورِ وجود پہنچتا ہے وہ ہر ایک سے منعکس ہو کر اس کی استعداد اور قابلیت کے مطابق دکھائی دیتا ہے۔

اللہ المعطی و انا القاسم پر چھوٹے چھوٹے درست آئینے مسلمان اور اولیاء کرام کی مثال ہیں۔اور دیگر آئینے جن سے مختلف اچھے برے اشکال نظر آتے ہیں وہ بے دینوں کی مثال ہے۔ قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ و ربک اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا آفتاب عالمتاب کی نور بخشی میں کس کو کلام ہے۔نورِ وجود الٰہی سے کسے انکار ہے۔مرآتِ جمالِ لایزال یعنی محمد عربی ﷺ کے اچھے ہونے میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں۔خیر و شرِ اضافی اعیانِ ثابتہ کے مظاہر اُن کی استعداد کو بتلاتے ہیں۔بھلائی بُرائی کا نظر آنا اعیان ثابتہ کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ خدا یا رسول کی طرف، ہاں! وجودِ حقیقی یعنی خدائے تعالیٰ سے جو نور ظاہر ہو رہا ہے وہ خیر محض ہے۔آئینہ نور الٰہی سے جو کچھ نمایاں ہوگا وہ بھی خیر ہوگا۔مگر بالعرض۔اس مثال کو دیکھو اور غور کرو تم کو اس سے سیدھا راستہ ملے گا۔تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔تمہارا دل روشن ہو جائے گا۔(المعارف حصہ چہارم ص ۴ تا ۶)

آیات متشابہات:

بعض آیتیں ایسی ہیں جن سے خدائے تعالیٰ کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو مخلوقات کے لئے مستعمل ہوتے ہیں حالانکہ اسلامی تعلیم کا راز توحید اور تنزیہ حق تعالیٰ ہے، لیس کمثلہ شئی ایسی آیتوں کو آیات متشابہات کہتے ہیں۔ان آیتوں کے متعلق علماء کے

مختلف مذاہب ہیں۔

۱۔ **متوقفین:** توقف کرنے والے۔ان کا مذہب یہ ہے کہ آیت کے لفظی معنی ہم کو معلوم ہیں ہم مرادِ خدائے تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ان میں بھی دو قسم کے حضرات ہیں۔

(الف) جو ترجمہ بھی نہیں کرتے۔ یَدْ کا معنی ہاتھ نہیں کرتے صرف یَدْ ہی کہتے ہیں۔

(ب) جو ترجمہ تو کرتے ہیں مگر وہ کیسا ہے، تشریح نہیں کرتے اس کی مراد اللہ پر چھوڑتے ہیں۔

۲۔ **منزھین بعد الاثبات:** ان کا مذہب یہ ہے کہ ید اللہ فوق ایدیھم سے خدائے تعالیٰ کا ید یعنی ہاتھ ثابت ہے مگر اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کے مانند نہیں۔اسی طرح ہر ایک چیز جو قرآن شریف میں مذکور ہے خدائے تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔مگر وہ مثلِ مخلوق کے نہیں۔

۳۔ ایک اور مذہب اس کے قریب قریب ہے کہ یَدْ سے ایک صفت خاص مراد ہے۔ جو قدرت کے علاوہ ہے۔اسی طرح اور تمام الفاظ مثلاً رجل وغیرہ۔

۴۔ **مُأوّلین:** ان کے مذہب میں محاورۂ عربی کے مطابق معنی، مرادِ مجازی لئے جاتے ہیں۔مثلاً اِنَّ اللہ علی العرش استوٰی تخت نشینی سے مراد حکومت، اقتدارِ اعلیٰ وسلطنت ہے۔(حکمت اسلامیہ ص ۲۸)

کرسی خداوندی سے مراد حکومت خاصہ یا جزوی حکومت مراد ہے۔اسی طرح وجہ اور چہرے کے معنی بھی لئے جاتے ہیں مثلاً ہم کہتے ہیں ہمارے سامنے تمہارے والد کا منہ ہے یعنی تمہارے والد کی رضامندی اور خوشنودی یا ان کی خاطر مقصود ہے اس طرح عربی محاورے کے مطابق "وجہ" کے لفظ سے ذاتِ خداوندی یا رضامندی الٰہی مراد لی جاتی ہے۔(مکاتیب عرفاں ص ۷)

یَدُ اللہ سے مراد ید رسول ہے کیونکہ وہ خلیفہ اور مامور من اللہ ہے خلیفہ کا فعل مختلف کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ رجل الرحمٰن کے جہنم میں رکھنے اور اس کے قط قط کرنے سے مراد۔ رحمت کا غضب پر غلبہ ہے۔جس طرح کہتے ہیں کہ فلاں کی سلطنت نے فلاں کی سلطنت کو پامال کر دیا یعنی مغلوب کر دیا۔

اس مقام میں ایک کلیہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے لئے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ باعتبار نتیجہ، غرض وغایت کے ہیں مثلاً اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ اللہ بھی ان سے ٹھٹا کرتا ہے۔یعنی اُن کے ٹھٹا کرنے کے بدلے میں ان کو عذاب کرتا ہے۔اور اس کو مشاکلہ کہتے ہیں۔(حکمت اسلامیہ ص ۲۸)

وَ مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ میں مشاکلہ ہے۔انہوں نے مکر کیا اور اللہ اُن کے مکر کی سزا دیتا ہے اور اللہ تو بہترین مکر کی سزا دینے والا ہے۔اسی طرح اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَّ اَکِیْدُ کَیْدًا کے معنے یہ ہیں کہ وہ مکر کرتے ہیں اور ہم ان کے مکر کی سزا دیتے ہیں۔اس میں بھی مشاکلہ اور مجازی معنی ہیں۔(مقدمہ تفسیر صدیقی ص ۵۵)

۵۔ **متصوفہ:** ان کا مذہب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدسہ کے لحاظ سے صفات مخلوقات سے پاک ہے۔مگر عالم مثال میں جہاں معانی متصور ہوتے ہیں،اسی قسم کی تجلی ہوتی ہے جو ہمارے لحاظ سے متصور معلوم ہوتی ہے۔اور اس کی حقیقت پر اس تصور سے کوئی اثر نہیں پڑتا جیسے ایک حقیقی معنی کو سینکڑوں مجازات میں بیان کرتے ہیں۔تمثیل کے تجسم سے مثل لہ کے تجرد پر کوئی نقصان عائد نہیں ہوتا۔(حکمت اسلامیہ ص ۲۸)

خدائے تعالیٰ عرش پر براجا رہا ہے اس کو مختلف عوالم میں تم کیسا دیکھتے ہو؟ ہر عالم کے اقتضاء کے مطابق خدائے تعالیٰ کا عرش پر براجنا صورت لیتا ہے۔کیا تم اس عالم میں بھی دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ عرش پر براج رہا ہے؟ عرش یعنی تخت سے مراد اقتدار اعلیٰ ہے۔اب یہ اقتدار اعلیٰ عالم شہادت میں بھی مختلف صورتوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔ایک آدمی نے ایک جواہر نگار سنہری تخت دیکھا اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہو رہی ہے۔ایک آدمی نے دیکھا سیلاب آیا ہے اور کشمیر کو تباہ کر دیا۔اس کے معنی یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ نے ایسا کیا۔یہ عرش پر براجنے کی ایک صورت ہے ویسے تو دنیا کے تمام واقعات عرش پر براجنے (یعنی اقتدار اعلیٰ) ہی کی صورتیں ہیں لیکن کسی غیر معمولی واقعہ اور حالت کو دیکھ کر ذہن اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے آپ اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو ہمیشہ کسی نہ کسی صورت ہی میں دیکھ سکتے ہیں۔اقتدار اعلیٰ ایک کلی چیز ہے اور ہر صورت اس کا ایک تعین جزئی ہے۔عالم شہادت میں یہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ عرش پر براج کر ہی کر رہا ہے۔یہاں کا عرش پر براجنا ایسا ہے(تفہیمات صدیقی ص ۲۹۔۳۰)

عرش، کرسی، لوح، قلم اور میزان سے کیا مراد ہے؟

میں قرآن کے ہر ہر لفظ پر ایمان رکھتا ہوں، اس لحاظ سے میرے پاس عرش کے معنی عرش۔ کرسی کے معنی کرسی۔ قلم کے معنی قلم۔ ن کے معنی نون۔ میزان کے معنی میزان۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا فرمایا ہے۔ لہٰذا غور کرتا ہوں تو ان میں سے ہر ایک کے مختلف مصادیق ہیں۔ عرش سے مراد اقتدار اعلیٰ ہے، کرسی سے مراد اقتدار جزئی۔ قلم سے مراد مؤثر ہے، لوح سے مراد متاثر ہے، ن کے معنی دوات ہیں۔ اس سے بھی مراد متاثر ہے، میزان سے مراد عدل و توازن ہے مگر اس سے مرادیں میری عقل کو دخل ہونے کی وجہ سے جتنا یقین ان قرآنی الفاظ پر ہے اتنا یقین ان مصادیق پر نہیں۔ لہٰذا میں اس کے ساتھ "اٰمَنْتُ بِمُرَادِ اللّٰہ" بھی کہتا ہوں۔

میرے پاس ہر آن اللہ عرش پر ہے۔ عالم شہادت میں بھی اللہ عرش پر ہے۔ چونکہ "اللہ عرش پر بیٹھا ہے" اللہ نے فرمایا ہے اس لئے اس پر میرا ایمان ہے لیکن اس کا مطلب جو میں سمجھا ہوں یعنی "اقتدار اعلیٰ" تو اس کا بھی مجھے یقین ہے۔ اللہ صاحب اقتدار اعلیٰ ہے یہی عرش پر مستوی ہونے کا مطلب ہے پھر اگر اس کے علاوہ اور بھی کچھ اللہ نے مراد لی ہو تو اس پر بھی میرا ایمان ہے۔ میں اپنی جہد سے اتنا سمجھا ہوں اور بھی سمجھانے تو سمجھنے کو تیار ہوں۔ کیا ضروری ہے کہ عرش کا مطلب جو ہم نے لیا ہے۔ وہی اللہ کی بھی مراد ہو۔ ممکن ہے کچھ اور بھی مراد ہو۔ جس کا مجھے علم نہیں۔ میں علم کا بھی مزا لیتا ہوں، بے علمی کا بھی۔ بے علمی میں کیا ہوا؟ بندگی آئی۔ (تفہیمات صدیقی ص ۳۲۔۳۳)

یہ خوب یاد رکھو کہ عقل سے کچھ سمجھ میں آئے سمجھو۔ جو کچھ کشف میں نظر آئے دیکھو۔ مگر ہماری عقل اور ہمارا کشف دونوں غیر قطعی ہیں۔ ہمیشہ اٰمنّا بمراد اللّٰہ کو اپنے پیش نظر رکھو۔ وحی الٰہی کو نہ اپنی عقل سے محدود کرو نہ اپنے کشف میں۔ یہ اجمالی علم اور ایمان بوحی الٰہی سراج منیر بن کر بڑھتا ہی رہے گا۔ تم گردن جھکائے چلے ہی چلو۔ اور سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا کہتے چلے جاؤ اور اَنْتَ وراء الوراء ثم وراء الوراء کو ورد زبان رکھو۔ (حکمت اسلامیہ ص ۲۸۔۲۹)

معانی صورت لیتے ہیں: اس کو سمجھنے کے لئے ان تجربات پر غور کرو:

"خوش ذائقگی" ایک معنیٰ ہے لیکن یہ جب کبھی پائی جائے گی کسی نہ کسی شکل میں پائی جائے گی۔ جیسے لیمو یا شکر میں۔ اصل میں شکر یا لیمو جیسی شئے کے ساتھ روح مس کرتی ہے تو ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ کیفیت کہاں پیدا ہوئی؟ مجھ میں پیدا ہوئی۔ زبان ایک مادی چیز ہے اس کو کھٹا اور میٹھا کہاں محسوس ہوتا ہے۔ یہ تمام ذائقے" میں محسوس کرتا ہوں اُس کا علم میری ذات کو ہو رہا ہے۔ آپ نے عطر سونگھا۔ آپ کی ناک کیا سونگھے گی۔ عطر سے آپ کی روح نے مس کیا تو اُس میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوئی اُس کا نام خوشبو ہے۔

کیا ایک ہی شخص کا متعدد مقامات میں اور مختلف صورتوں میں موجود ہونا ممکن ہے؟

آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اگرچہ میں شخصی ہوں۔ میری ذات ایک ہی ہے مگر میں آپ کے پاس بھی ہوں، آپ کے پاس بھی، تو معلوم ہوا کہ میں مثالی شکل کے ساتھ ہر جگہ نظر آیا در اصل کسی نے مجھے کہاں دیکھا؟ میری مثالی شکل دیکھی۔ عالم مثال، عالم شہادت سے وسیع تر ہے۔ جب تک عالم مثال میں صورت نہ لے کوئی چیز عالم شہادت میں آئے گی کیسے؟ جن میں روحانی قوت ہوتی ہے ان کی یہ مثالی شکلیں بھی کام کرتی ہیں۔ عزرائیل علیہ السلام عالم شہادت میں کئی مقامات پر کئی صورتیں لے کر جاتے ہیں۔ بعض اولیاء اللہ ایک ہی زمانے میں پچاس شکلیں لے کر متاثر کر سکتے ہیں۔ انھیں اُن پچاسوں اشکال کا علم بھی رہتا ہے ان میں ایک قسم کی کلیت آ جاتی ہے یہ علم اجمالی رہتا ہے۔ تفصیلی علم کے لئے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ جیسے سر کے بال پکڑ کر کھینچے جائیں تو ہر ہر بال کا درد محسوس ہوتا ہے۔ یہ اجمالی اور کلی علم ہے۔ (تفہیمات صدیقی ص ۴۲۔۴۳)

کیا خدائے تعالیٰ کی تجلی عالم شہادت میں بھی ہوتی ہے؟

آپ آنکھوں سے جو دیکھ رہے ہیں کانوں سے جو سُن رہے ہیں یہ سب خدائے تعالیٰ کی تجلیات ہیں۔ یاد رکھو! خدائے تعالیٰ کی تجلی ہمیشہ تشبیہ میں ہوگی۔ کیونکہ تنزیہ ذات میں دوئی کی گنجائش ہی نہیں تو اسے دیکھنے والا کہاں سما سکتا ہے؟ یہ بات بھی یاد رکھو کہ جو چیز بھی اوپر کے عوالم سے ہو کر عالم شہادت میں آئے گی۔ اس عالم کے آثار کے ساتھ آئے گی۔ اس طرح دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے خدائے تعالیٰ کی تجلیات ہی کا ظہور ہے۔ "میں یہاں ہوں" آپ نے مجھے دیکھا۔ وہ کیا چیز ہے جس پر آپ کی نظر ٹھہری؟ آپ کی نظر "ہے" یعنی وجود پر ٹھہری اور وجود بالذات تو اللہ ہی کا ہے۔ اللہ کی ایک صفت هُوَ الظَّاهِرُ بھی ہے۔ جو اللہ کو ظاہر نہ سمجھے اس کے ایمان میں نقص ہے۔ (تفہیمات صدیقی ص ۴۳)

اب ہم وجود کی ایک اور تقسیم کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جس کے نہ جاننے کی وجہ سے اختلاف عظیم برپا ہوتا ہے۔

تادیلِ وجودی:

اکثر لوگ باہم اختلاف کرتے ہیں۔ ایک شخص ایک قسم کا وجود مانتا ہے اور دوسرا دوسری قسم کا۔ کسی قسم کا وجود نہ ماننا تو صریح انکار ہے۔ مگر اعلیٰ قسم کا وجود جب تک محال ثابت نہ کیا جائے ادنیٰ قسم کا وجود فرض کرنا یا ماننا تعدی ہے، ناانصافی ہے۔

وجود کی کئی قسمیں ہیں

(۱) خارجی یا عینی یا شہادی یا ذاتی

(۲) وجودِ حِسّی

(۳) وجودِ خیالی

(۴) وجودِ مثالی

(۵) وجودِ عقلی

(۶) وجودِ تشبیہی یا شبہی

(۷) وجودِ مجازی یا مجازِ مرسلی۔

1۔ وجودِ خارجی:

وہ وجود جو ہمارے سمجھنے، خیال کرنے پر موقوف نہیں، ہمارے علم سے خارج اور ہمارے اعتبار سے قطع نظر بھی ہے۔ ایسا وجود، وجودِ خارجی کہلاتا ہے۔ جیسے زید خارج میں ہے نہ کسی کے موجود ماننے سے موجود ہوتا ہے اور نہ کسی کے نہ سمجھنے سے معدوم ہوتا ہے۔

اشیاء کا وجودِ خارجی ضرور ہے، یعنی ہمارے علم سے باہر کوئی چیز ضرور ہے اب اس کی خارجیت کو مادّہ قائم رکھے یا موجودِ حقیقی سے ہماری روح پر علم فائز کیا جارہا ہو۔ بہرحال قطع نظر ہمارے علم کے ایک شئے ضرور ہے ورنہ سوفسطائی کا مذہب ہوجائے گا۔

وجودِ خارجی بھی دو قسم پر ہے۔

(i) وجود بالذات

(ii) وجود بالعرض

وجود بالذات: جو ذاتِ شئے سے ناشی و منتزع ہو، یا عین ذات ہو، اور غیر سے حاصل و مستفاد نہ ہو۔ ایسا وجود ذاتِ واجب میں منحصر ہے۔

وجود بالعرض: جو غیر سے مستفاد ہو۔ ممکنات کا وجود، وجود بالعرض ہوتا ہے۔ وجود بالذات کی نظیر نورِ شمس ہے کہ ذاتِ واجبہ سے منتشی و پیدا ہے۔ وجود بالعرض کی نظیر نورِ قمر ہے کہ اصل میں وہ نورِ شمس ہی ہے جو قمر پر پڑ کر منعکس ہوتا ہے، نورِ قمر کہلاتا ہے۔ غور کر کے دیکھو کہ قمر اپنی کامل روشنی اور بدر ہونے کی حالت میں بھی اپنے بالذات تاریک و مظلم ہونے سے نہیں نکلتا۔ اسی طرح ممکنات بھی اپنے حال وجود میں عدمِ ذاتی سے نہیں نکلتے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۲۹۔۳۰)

(بالذات بالعرض کو حضرت نے اپنے رسالہ ''صدائے معرفت حق'' میں اس طرح سمجھایا ہے) (للمرتب)

صاحبو! مدرسے کے ایک حجرہ میں چند طالب علم ہیں۔ ایک بچہ دوسرے بچہ پر آگرا۔ وہ بگڑ کر کہنے لگا۔ تم مجھ پر کیوں آن کر گرے؟ وہ کہنے لگا۔ میں خود سے نہیں گرا دوسرا بچہ مجھ پر آ گرا ہے۔ اب جس سے پوچھتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ میں خود سے نہیں گرا، دوسرے نے دھکا دیا۔ وہ بچہ جس پر دوسرا بچہ گرا تھا بگڑ جاتا ہے اور ہرگز نہیں مانتا اور کہتا ہے شرارت کی ابتداء جب تک کسی نے نہ کی ہو۔ جب تک کسی نے پہل نہ کی ہو۔ یہ سلسلہ چل نہیں سکتا۔ سمجھے! یہ بچہ کیا کہ رہا ہے؟ وہ کہ رہا ہے جب تک ابتداً کوئی دھکا دینے والا نہ ہو دھکا دینے کی صورت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ یا دوسرے الفاظ میں جب تک بالذات نہ ہو بالعرض ممکن نہیں۔

صاحبو! تھوڑی دیر کے لئے اس بات پر غور کرو کہ گھر کا ایک بڑا ہوتا ہے ریاست کا ایک بادشاہ ہوتا ہے۔ حکومت کا ایک صدر ہوتا ہے۔ مدرسہ کا ایک پرنسپل یا ہیڈ ماسٹر ہوتا ہے۔ بے سری حکومت اور بے نظام سلطنت چل ہی نہیں سکتی۔ گھر میں مختلف کمرے ہوتے ہیں۔ اور مختلف اغراض و مقاصد میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیا گھر کا کوئی نظام، اور اس کا انجینئر نہیں ہوتا؟ یہ سب ناتجربہ کاروں کی باتیں ہیں۔ صاحب عقل سلیم سمجھتا ہے کہ انتظام بغیر منتظم کے ممکن نہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں، سیارے حرکت کرتے ہیں تو ان کا بھی ایک نظام ہے۔ چاہے آپ نظام شمسی کہیں یا بطلیموسی۔ یا فیثا غورثی۔ وقت پر چاند نکلتا ہے، وقت پر آفتاب نکلتا ہے، سورج گہن لگتا ہے تو اپنے وقت پر، چاند گہن لگتا ہے تو اپنے وقت پر، کبھی اس کا خلاف ممکن نہیں۔ کیا اس تمام عالم کو منظم حالت میں رکھنے والا کوئی ہے یا نہیں؟ ہم نے ابھی ثابت کیا ہے کوئی بچہ قبول نہیں کرسکتا کہ کوئی بالعرض حرکت بغیر اصلی محرک کے ہوسکتی ہے۔ بغیر محرک کے عالم کا ایک باقاعدہ منظم طور سے حرکت کرنا ناممکن ہے۔

وہ محرک کون ہے؟ تم اللہ کہو یا گاڈ کہو، جس نام سے پکارو، اس کا جو نام رکھو وہ ہے اور یقیناً ہے، وہی حق ہے اور اس کا ماسوا ناحق (صدائے معرفت حق ص ۱-۲)

یاد رکھو! بغیر علت العلل کے کوئی معلول پیدا نہیں ہو سکتا، اور دنیا میں کوئی شئے بغیر مسبب الاسباب کے ظاہر نہیں ہو سکتی، عدم سے منصۂ شہود پر نہیں آ سکتی۔ (کلمہ طیبہ ص ۲)

وجود بالعرض کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) وجود لذاتہ

(۲) وجود لغیرہ

وجود لذاتہ: جواہر کا وجود کہ بذاتِ خود قائم ہے، جیسے زید کہ وہ بذاتِ خود قائم ہے۔ رنگ و بو کی طرح دوسرے میں قائم نہیں۔

وجود لغیرہ: اعراض کا وجود کہ دوسرے سے قائم ہوتا ہے۔ اس سے وابستہ رہتا ہے یعنی اعراض جواہر سے قائم رہتے ہیں۔

وجودِ بالذات لذاتہ واجب جلّ مجدہ میں منحصر ہے وجود بالعرض لذاتہ جواہر کا وجود ہے۔ وجود بالعرض لغیرہ، اعراض کا وجود ہے۔ جیسے رنگ و بو۔ وجود بالعرض لغیرہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) انضمامی

(۲) انتزاعی

وجودِ انضمامی: ایسی صفت کا وجود جو ذات سے خارج مگر اس سے وابستہ رہتی ہے۔ جیسے پھول میں رنگ و بو، دیوار پر سفیدی

وجودِ انتزاعی: ایسی صفت کا وجود جو ذات سے خارج خیال نہیں کی جا سکتی۔ عام اس سے کہ خود نفس ذات سے منتزع سمجھی جائے۔ جیسے زید کھڑا ہے اور یہ غیر اضافی ہے یا دوسری اور شئے سے نسبت ہو۔ یا دوسری شئے کی طرف اضافت سے یہ صفت منتزع ہو۔ جیسے آسمان اوپر ہے۔ زمین نیچے ہے۔ زید، بکر کا بیٹا ہے اور یہ انتزاعی اضافی ہے۔

اس امر کا خیال رکھو کہ ادیبانہ طرز بیان اور ہوتا ہے اور منطقیانہ اور، جذباتی لوگ اور ہوتے ہیں اور فلسفی اور۔ جذباتی لوگ اور ادیب کمزور وجود کو حکم عدم میں سمجھ کر نفی کرتے ہیں اور فلسفی دماغ کے لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ وجود کی حقیقۃً نفی کر رہے ہیں، اُن سے نزاع کرتے ہیں، پس جذباتی لوگ اور اُدباء، وجودِ بالعرض کی وجودِ بالذات کے مقابلے میں، انتزاعیات کی جواہر کے مقابلے میں نفی کرتے ہیں اور فلسفیانہ دماغ کے لوگ اُس کو حقائقِ اشیاء کا انکار سمجھتے ہیں اور نزاع و اختلاف کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ سخن شناس نہ حافظا خطا ایں جا است۔

۲۔ وجودِ حسّی: جب ہم کسی شئے کو دیکھتے یا احساس کرتے ہیں تو بذریعہ حواس ظاہری اس شئے کی صورت، ایک قوت و حاسۂ باطنی میں جس کو حس مشترک کہتے ہیں، جمع ہو کر ہم کو معلوم ہوتی ہے۔ میری مراد صورت سے یہاں شکل و ہیئت نہیں ہے بلکہ اس مقام میں ہر معلوم کو صورت کہتے ہیں۔

حواس خمسۂ ظاہری پانچ ہیں:

(۱) بصر یا بینائی (دیکھنے کی قوت)

(۲) سمع یا شنوائی (سننے کی قوت)

(۳) شمہ یا شامہ (سونگھنے کی قوت)

(۴) ذوق یا ذائقہ یا مزہ (چکھنے کی قوت)

(۵) لمس یا لامسہ (چھونے کی قوت)

پس ملموسات، مذوقات، مشمومات، مسموعات، مبصرات ان سب کی صورتیں ہیں۔

ان پانچوں قوتوں سے صورتیں حس مشترک میں جمع ہوتی ہیں اور نفس ناطقہ یا ہماری روح اُن کا مطالعہ کرتی ہے۔ یہ یاد رکھو کہ جب تک ہم دیکھ رہے ہیں تو ان سب کو ہم حس مشترک ہی میں دیکھ رہے ہیں اور یہ وجودِ حسّی ہے۔ جہاں شئے مبصر سے نظر ہٹالی فوراً وہ صورت حس مشترک سے ہٹ کر اس کے خزانۂ خیال میں چلی گئی۔

۳۔ وجودِ خیالی:

یہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ حواس خمسۂ ظاہری سے تمام صورتیں حس مشترک میں جمع ہو کر نفس ناطقہ یعنی روح انسانی کو مدرک و

معلوم ہوتی ہے۔ پھر جب وجودِ خارجی کی محاذات اور اُس کا مقابلہ باقی نہیں رہتا تو حواس خمسہ سے صورتیں حسِ مشترک سے اس کے خزانہ خیال میں چلی جاتی ہیں پھر جب اُن صورتوں کی طرف التفات کیا جائے جو پہلے حواس سے آئی تھیں اور خیال میں مخزون اور جمع تھیں تو وہ پھر حسِ مشترک میں آ کر مدرک ہوتی اور نظر آتی ہیں۔

مطالعہ صور کا مقام تو حسِ مشترک ہی ہے مگر اگر حواسِ ظاہری سے حسِ مشترک میں یہ صُور آئے ہیں تو یہ وجودِ حسی ہے اور اگر خیال سے یہ صورتیں حسِ مشترک میں آ کر نمودار و مرئی ہوئی ہیں تو یہ وجودِ خیالی ہے۔

چونکہ حواسِ ظاہری اور باطنی میں سے حسِ مشترک و خیال کا ذکر آ گیا ہے لہذا حواسِ خمسہ باطنی کا بیان بھی بغرضِ تکمیل کر دینا چاہتا ہوں تا کہ کامل فائدہ ہو۔

جب خارج سے صُور ذہن میں آتے ہیں تو ذہن ان کی تحلیل کرتا ہے۔ معانی کو الگ کرتا ہے اور صُورِ ظاہری کو الگ۔ صُورِ ظاہری کے مطالعہ کا مقام حسِ مشترک ہے اور اس کا خزانہ خیال۔ معانی اور انتزاعیات کے مطالعہ کا مقام وہم ہے موسوم ہے اور اس کا خزانہ حافظہ۔ مثلاً ہم نے زید کو دیکھا تو اُس کو خوبصورت اور عالم پایا۔ اس کی خوبصورتی حسِ مشترک میں نظر آئے گی اور اس کا علم وہم کے ذریعہ سے معلوم ہوگا۔ پھر جب علم و خوبصورتی کی طرف سے التفات ہٹا لیا جائے گا تو اُس کی صورتِ خوب خیال میں اور علم حافظہ میں چلا جائے گا اور جب جب بھی دوبارہ التفات کیا جائے گا تو صورت، خیال سے حسِ مشترک میں آئے گی اور انتزاعی معنی یعنی علم حافظے سے ذہن و وہم میں آ کر معلوم ہو جائے گا۔

اب ایک اور قوت رہ گئی ہے، جس کا کام ہے ملی ہوئی چیزوں کو جدا کرنا، جدا جدا چیزوں کو ملانا۔ اس کا نام متخیلہ و متفکرہ ہے۔ ایک شخص نے خیال کیا کہ ایک شخص کا تن آدمی کا اور سر ہاتھی کا ہے اور وہ بہت بڑا عالم اور فصیح و بلیغ بھی ہے۔ یہ تمام کاروائی حضرتِ متخیلہ کی ہے۔ خیال میں سے انسان کے تن کو اس کے سر سے اور ہاتھی کے سر کو اُس کے تن سے جدا کر کے لایا اور دونوں کو ملایا۔ اور حافظہ میں سے علم و فصاحت کو جو معنی ہیں لا کر اس فیل سر میں رکھا اور اُس فیل سر کا ایک خاص نام ''گن پتی'' رکھا۔

حکمائے قدیم نے ان قوتوں کے لحاظ سے دماغ کی اس طرح تقسیم کی ہے۔

مشترک حس	خیال	متخیلہ	وہم	حافظہ

آج کل علم کاسہ سر میں جس کو فرنیالوجی (PHRENOLOGY) کہتے ہیں۔ ہر ایک قوت کا مقام سر کا ایک جدا ہی حصہ ہے۔ مثلاً حساب کا جدا مقام ہے اور موسیقی کا جدا۔ یہ لوگ سر کے مختلف حصوں کے ابھار سے خاص قوتوں کو متعلق کرتے ہیں اور ان کو دیکھ کر، ٹٹول کر، ہاتھ لگا کر دکھا دیتے ہیں کہ یہ موسیقی میں اچھا ہوگا، یا حساب میں، غصیلہ ہے یا حلیم۔ اُس کا متخیلہ اچھا ہے یا حافظہ اور اس کو سمجھنے کے لئے چینی کا ایک سر بنایا ہے جس میں ہر قوت کے مرکز و مقام کو دکھلایا گیا ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ متخیلہ میں جو معانی، وہم و حافظہ سے اور جو صورتیں حسِ مشترک و خیال سے آتی ہیں ان سب کے لئے وجودِ خیالی تسلیم کیا جاتا اور مانا جاتا ہے۔

۴۔ وجودِ مثالی:

عالم مثال کا بیان آئندہ بھی آئے گا اور اس کے متعلق میرا ایک مستقل مضمون ''النور'' میں بھی شائع ہو چکا ہے تاہم بالاختصار تھوڑا سا بیان یہاں بھی کر دیا جاتا ہے۔

متخیلہ میں جس طرح عالمِ خارجی سے صورتیں آتی ہیں، اسی طرح عالمِ مثال سے بھی آتی ہیں۔ عالمِ مثال سے جو صورتیں آتی ہیں ان کو خیال منفصل یا خیال مقید کہتے ہیں۔ اور تصرف متخیلہ سے صُورِ خیال و معانی مخزون بہ حافظہ کے باہم ملائے جانے سے، جو قصہ یا حکایت پیدا ہوتی ہے، وہ خیال متصل یا خیال مطلق کہلاتی ہے۔

کشف و خواب کبھی متخیلہ کا نزاعمل ہوتے ہیں، کبھی عالمِ مثال سے آتے ہیں۔ پہلے قسم کے خواب اضغاثِ احلام یا جھوٹے خواب اور دوسرے قسم کے رویائے صادقہ سے موسوم ہوتے ہیں۔ رویائے صادقہ کبھی حقیقی رہتے ہیں اور کبھی مجازی اور استعارے کے طور پر ایسے خواب و کشف تعبیر طلب ہوتے ہیں بعض دفعہ خیال خود اس کے جسم اور دل و دماغ سے بھی اٹھتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو بلغمی بخار آ گیا ہے۔ وہ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ندی کو طغیانی ہو رہی ہے اور ایک شخص کو بلڈ پریشر اور جوش خون ہو گیا ہے۔ وہ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ اس کے گھر کو آگ لگ گئی ہے۔ ایسے تشبیہی اور خیالی امور سے اصل حقیقت کی طرف پہنچنا ایک ماہر معبر کا کام ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۳۴)

صاحبو! جن کو اللہ نے نفس مطمئنہ دیا ہے، جس کے خواہشات نفسانی مردہ ہوگئے ہوں ایسوں کے خواب ہمیشہ صحیح ہوتے ہیں۔

صاحبو! خواب کے دیکھنے میں کافر اور مسلمان، مرد، عورت کسی کی کوئی خصوصیت نہیں، نہ اس مسئلہ میں پاک اور ناپاک کا امتیاز ہے مگر یاد رکھو کہ دیکھنے والے کو جس قدر اطمینان ہوگا اُسی قدر اُس کا خواب صحیح ہونے کی امید ہوگی۔ بے قراری، بے چینی خواہ کسی وجہ سے ہو خواب کو خراب کر دیتی ہے۔

بہت حضرات صاحب کشف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر کوئی اُن سے پوچھے:

دیکھا تم نے کیا دیکھا
اس کی کتنی وقعت ہے
کھیل تماشا لا حاصل
مقصد اصل حقیقت ہے

حسرتؔ

انسان کا دل کیا ہے ایک کیمرہ ہے بیت الخلا کی طرف اس کا رُخ ہوگا تو بیت الخلا اور اس کی کھڈیاں نظر آئیں گی۔ لوگوں کے دلوں اور گھروں کی طرف رخ ہوگا تو وہاں کے رہنے والے اور ان کے حالات نظر آئیں گے۔

بہت سے لوگ، لوگوں کے دل کے خطرات بیان کرکے بڑی شیخی بگھارتے ہیں۔ اتنا کام تو ہپناٹیزم والے بھی کر سکتے ہیں۔ یاد رکھو علم کی عزت معلوم کی عزت سے ہے۔ جیسی چیز کو جانو گے، اُسی درجہ کے عالم سمجھے جاؤ گے۔ خدا کی تجلیات اور اس کے دوستوں کو دیکھنے والا اور اشراف علی الخواطر یعنی لوگوں کے دلوں کے خطرات کو جاننے والا بھلا دونوں کا کیا جوڑ۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔ ہپناٹیزم کی قوت رکھنے والا اور خدا کا دوست کس طرح دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ حسرتؔ

ترا جس کا ہو ارادہ وہی رو برو ہو پیدا
ترا قصدِ یار ہوتا تو وہ تیرا یار ہوتا

(المعارف حصہ چہارم ص ۳۶۔۳۷)

وجودِ عقلی: صُورِ خارج بتوسط حواس ذہن میں آتے ہیں۔ عقل ان کی تحلیل کرتی ہے۔ معانی کا انتزاع کرتی ہے۔ جزئیات میں سے تشخص و تعین کو جدا کرکے کلیات نکالتی ہے مثلاً زید و عمر کی صورتیں بذریعہ حواس ہمارے ذہن میں آئیں۔ عقل نے زید و عمر کی خصوصیتوں سے قطع نظر کرکے ان سے "انسان" معنیٔ کلّی کو نکال لیا۔ پس انسان کا وجود گو عینی و خارجی نہیں، مگر وجودِ عقلی ضرور ہے۔

اسی طرح یَد یعنی ہاتھ۔ جزئیات پر غور کرو تو بعض جانوروں کے ہاتھ میں تین انگلیاں ہوتی ہیں بعض میں چار، بعض میں پانچ۔ بعض میں اس سے بھی زیادہ، پھر بعض بغیر ناخن کے، بعض کے ناخن عریض بعض کے طویل، بعض کے ناخن تیز بعض کے کند، یہ سب ہاتھ کے جزئیات ہیں۔ ہاتھ کی حقیقت ان جزئیات اور خصوصیات سے پاک ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۳۵)

(وجودِ عقلی کے تعلق سے حضرت نے معیار الکلام میں اس طرح تشریح کی ہے) المرتب

صُورِ خیال و خصوصیات سے مجرد ہو کر ایک کلّی و مطلق و مجرد معنی کا وجود، وجودِ عقلی یا وجودِ تجرد کہلاتا ہے۔ مثلاً غضب ایک قوت ہے کہ دفع اعداد اور ان پر غلبہ حاصل کرتی ہے۔ ہمارے غضب میں اس قوت کے اظہار کے وقت خون دل بہ غرض انتقام جوش کرتا ہے اور چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ غضب کلّی میں جوش خون دل کو دخل نہیں۔ پس غضب، اللہ میں جوش خون دل نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت ہے جو لوازم جسم بشری سے پاک ہے اور جس کے لئے وجودِ خیالی نہیں بلکہ وجودِ عقلی ہے۔ (معیار الکلام ص ۶۰)

وجودِ شبہی یا تشبیہی: ایک شئے سے اُس کا شبیہ مراد لینا یا یوں سمجھو کہ ایک شئے کا اس کے شبیہ و مشابہ کی صورت میں نظر آنا۔ مثلاً حضرت محمد ﷺ نے علم کو دودھ کی صورت میں دیکھا یا مثلاً قہر کو کسی نے آگ کی صورت میں دیکھا۔ یا غضب کو شیر کی صورت میں دیکھا یا طاعون کو ہاتھی کی صورت میں یا اسماء و صفات الٰہی کو بعض بعض تشبیہی صورتوں میں۔ پس قہر خدا کا وجود تشبیہی آگ ہے۔ وجودِ شبہی میں سے اس کی حقیقت کی طرف راہ نکال لینا۔ تشبیہی خواب یا کشف کی تعبیر دینا لیاقت کا کام ہے۔ اگر کسی نے یہ کہا کہ قہر الٰہی قیامت میں آگ کا تمثل لیتا ہے تو بالکل صحیح ہے یا کسی نے قہر الٰہی ہی کو آگ کہا یا آگ کی حقیقت قہر الٰہی بتائی تو بالکل درست ہے۔ یا کسی نے حجر اسود کے یمین اللہ ہونے کے یہ معنی بتائے کہ جس طرح ہاتھ بغرض تعظیم چوما جاتا ہے اسی طرح بغرض تعظیم شعائر اللہ حجر اسود چوما جاتا ہے۔ اس لئے حجر اسود کو یمین اللہ کہا گیا تو

درست ہے۔ غرض کی وجود شیعی میں ایک قسم کا استعارہ ہوتا ہے۔ جو لوگ واقف ہیں خوب سمجھتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب عین ثابت کے تشبیہات وتمثیلات ہی ہیں۔ (معیار الکلام ص ۶۰)

(حکمت اسلامیہ میں حضرت نے اس طرح تشریح فرمائی ہے) للمرتب

دو چیزوں میں ایک وجہ شبہ مشترک پائی جاتی ہے ان میں سے ایک شئے صفت مشترک میں مشہور و معروف ہوتی ہے۔ اس کو مستعار منہ کہتے ہیں۔ اور دوسری شئے کو مستعار لہٗ۔ مثلاً شجاعت زید و شیر میں مشترک ہے۔ اور وجہ شبہ ہے اور شیر شجاعت میں مشہور ہے۔ پس وہ مستعار منہ ہے اور زید جس کی شجاعت ظاہر کرنا مقصود ہے۔ مستعار لہٗ ہے۔ پس اگر کوئی کہے میں نے ایک شیر کو دیکھا کہ ہتھیار لگائے اینٹھتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ تو اس کی تعبیر یا حقیقت یہ ہوگی۔ میں نے زید کو دیکھا جو شجاعت میں مثل شیر کے ہے۔ اور ہتھیار لگائے اکڑتا چلا جا رہا تھا۔ کبھی ایک واقعہ کو لمبی چوڑی تشبیہ سے بیان کیا جاتا ہے اور اس کو تمثیل کہتے ہیں۔ جیسے تردد کی حالت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ مثلھم کمثل الذی استو قد نارا فلما اضاعت ما حولہ ذھب اللہ بنور ھم و تر کھم فی ظلمات لا یبصرون

کفر کی تمثیل اس طرح بیان کی گئی ہے او کظلمات فی بحرٍ لجی غرض کی تمثیل، بیان، واظہار سے متعلق ہوتی ہے۔ بہت سے ناول تمثیل ہی پر مبنی رہتے ہیں۔ ڈرامے کو تو عربی میں تمثیل ہی کہتے ہیں۔

حضرت متخیلہ میں جو تمثیل ہوتی ہے وہ کبھی بے اصل ہوتی ہے کبھی خود دیکھنے والے کے جسد کی کیفیت کو بیان کرتی ہے مثلاً جس کو صفرا ہو گیا ہے (اور بخار آ گیا ہے) وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ ایک لق دق میدان میں چلا جا رہا ہے، سخت دھوپ پڑ رہی ہے آخر ایک نخلستان میں پہنچا ہے۔ وہاں درختوں کی ڈالیاں آپس میں رگڑ کھاتی ہیں اور آگ نکلتی ہے۔ آگ تمام نخلستان میں لگ جاتی ہے یہ ادھر ادھر بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ کہیں راستہ نہیں ملتا۔ آخر میں اس کے کپڑوں میں آگ لگ جاتی ہے۔ سخت گھبراتا ہے اور نیند ٹوٹ جاتی ہے۔

اسی طرح عالم مثال سے بھی کوئی واقعہ آتا ہے اور تمثیل کے طور پر بیان ہوتا ہے۔ کبھی خواب اس طرح پڑتا ہے۔ کبھی کشف اس طرح ہوتا ہے۔ بہر حال ایسا خواب ہو یا کشف تعبیر طلب ہوتا ہے یعنی اس کی حقیقت و مراد دریافت طلب ہوتی ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۳۵۔۳۶)

خواب دیکھنے والا جس مقام کا رہنے والا ہے، وہاں کے لوگوں کے محاورات ضرب الامثال۔ تشبیہات سے واقف ہونے کی ضرورت کا محاورہ ہے کہ بدگو کو کتا کہتے ہیں۔ اور وہ اس کو کہتے ہیں۔ "کتا ہے بھونکتا ہے" ایسا شخص کتے کو خواب میں دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ کوئی بدگو شخص تمہاری برائی کرتا ہے۔ بعض مقام کے لوگ کتے کو بڑا وفادار دوست سمجھتے ہیں۔ اس خیال کے لوگ اگر خواب میں کتے کو دیکھیں تو اس سے مراد کسی وفادار دوست سے ملاقات ہوگی۔ مالداروں کا خیال ہے کہ خزانہ پر سانپ بیٹھتا ہے۔ لہٰذا اس خیال کے لوگ اگر سانپ کو خواب میں دیکھیں تو اس سے مراد دولت ہوگی۔ حیدرآباد میں دو لکھے پاشا نامی متقی آدمی تھے۔ ان کے سامنے ایک صاحب نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا ایک سانپ میرے گلے میں لپٹا ہوا ہے۔ صاحب مذکور نے تعبیر دی کہ تم کو لڑکی پیدا ہوگی۔ تم اس کو اپنی گردن پر بٹھا کر پھرو گے۔ یہ اس خیال پر مبنی ہے کہ بیٹی روٹی ہے یعنی دولت ہے۔

صاحبو! خواب دیکھنے والے کے اخلاق و عادات نیک و بد ہونے کو بھی پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ (المعارف حصہ چہارم ص ۳۵)

محمد بن سیرین کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اپنا خواب عرض کیا کہ وہ اذان دے رہا ہے۔ آپ نے تعبیر دی کہ وہ حج کو جائے گا اس کا ماخذ واذانٌ من اللہ ورسولہ یوم الحج الاکبر ۔ دوسرے شخص نے بھی عرض کیا کہ میں نے خواب میں خود کو اذان دیتے دیکھا ہے۔ فرمایا کہ تو چور ہے پکڑا جائے گا اس کا ماخذ واذن موذن ایتھا العیر انکم لسادقون۔

میرے ایک دوست نے بیان کیا کہ انھوں نے اپنے باپ کو اذان دیتے خواب میں دیکھا ہے۔ ان کے باپ بہت بوڑھے اور مرد صالح تھے۔ میرے دل میں اس کی تعبیر میں یہ شعر آیا:

اٰذَنَتْــــــــا بِبَیْنِھَـــــــا اَسْـمَـــــــاءُ

رُبَّ ثَـــــــاوٍ یُـــمَـــلُّ مِـــنْـــــــهُ الثَّـــواءُ

(حکمت اسلامیہ ص ۳۶۔۳۷)

یعنی یہ اطلاع موت تھی اس کے چند ہی روز بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ خیال، مراقبہ، کشف، اور مشہود اور خواب تینوں ایک خاندان کے ہیں۔ خواب میں ایسا انہماک رہتا ہے، ایسی یکسوئی اور مشغولی رہتی ہے کہ دنیا ومافیہا سے بے خبری رہتی ہے۔ صاحب کشف و مشاہدہ کو دنیا سے بے خبری رہتی ہے۔ خیال والا سمجھتا ہے کہ میں جو خیال چاہوں سوچ سکتا ہوں اور مشاہدے والا ایک حد تک خود کو مجبور سمجھتا ہے۔ پوری

بے اختیاری تو خواب میں ہوتی ہے مگر اس میں بھی غیر مساکن نفس اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ لگتا لگاتا ہے۔ (المعارف حصہ چہارم ص ۲۳)

اور خواب دیکھنے والے نے اصل خواب اور نفسانی تکمیلہ میں تمیز نہ کر کے ایک دکھلایا۔ تو ایسے حال میں معبر کو بڑی لیاقت کی ضرورت ہے کہ اصل اور خیالی تتمہ کو ایک دوسرے سے جدا کرے بہر حال جب تک نفس مہذب نہ ہو اور خطرات بند نہ ہوں۔ صحیح واقعہ کا انکشاف ہونا مشکل ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۳۷)

۷۔ وجود مجازی یا مجاز مرسل:

کسی علاقہ کی وجہ سے ایک شئے سے اس کا متعلق مراد لیا جائے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ ایسی زور کی بارش ہوئی کہ پرنالے بہہ رہے تھے تو پرنالے کی طرف بہنے کی نسبت اس کے مجاور (یعنی قریب کی چیز پانی) کی وجہ سے ہے۔ پس اس نسبت مجازی کی وجہ سے ہم پرنالے کے بہنے کے منکر نہیں (معیار الکلام ص ۶۰، ۶۱)

وجود مجازی میں علاقہ تشبیہ نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے اور قسم کا علاقہ رہتا ہے۔ جیسے سبب مسبب، حال محل، جز وکل ما کان و ما یؤل یعنی حالت سابقہ، حالت لاحقہ، وغیرہ جیسے یاھامان ابن لی صرحا یعنی اے ہامان تو میرے لئے گھر بنا، ظاہر ہے کہ گھر بنانے والے راج مزدور ہوتے ہیں مگر گھر بنانے کی نسبت ہامان وزیر کی طرف اس لئے کی گئی کہ وہ سبب امر یعنی حکم کرنے والا تھا۔

اسی طرح حکومت اور اقتدار اعلیٰ ملنے وقائم ہونے کو تاج پوشی و تخت نشینی سے تعبیر کرتے ہیں۔ گو اس ملک میں حکومت ملنے کے وقت تلوار ہی باندھ دی جاتی ہو۔ یا جیسے خلیفہ کے فعل کو مستخلف کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ جیسے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (حکمت اسلامیہ ص ۳۷، ۳۸)

و لما یعلم اللہ المجاھدین منکم و الصابرین۔ میں عدم علم کی نسبت اللہ کی طرف ہے حالانکہ وہ حضرت ﷺ کی صفت ہے۔ اس علاقہ سے کہ حضرت ﷺ خلیفۃ اللہ اور رسول ہیں۔ میں ان تمام مباحث کو یہاں اس چھوٹی سی کتاب میں بہ تفصیل نہیں بیان کر سکتا بالجملہ اعلیٰ درجہ کا وجود جب تک ممکن ہو، ادنیٰ قسم کا وجود نہ لینا چاہیے۔ اپنے جہل و ناواقفیت کی وجہ سے جس طرح انکار درست نہیں اسی طرح تاویل بعید بھی بعید عن الحق ہے۔

تقدیر:

دوستو! تم ایک ڈرامہ سوچتے ہو۔ ایک کہانی بناتے ہو۔ ایک منصوبہ کا نقشہ ہو۔ یہ سب چیزیں کہاں تھیں؟ تمہارے علم میں۔ اس میں ایک بادشاہ ہے ایک فقیر ہے، عورت ہے، مرد ہے، چور ہے، تم اپنے زور تخیل سے اپنے متفرق خیالات میں ایک نظام پیدا کرتے ہو اور ہر ایک کے خواص اور کیریکٹر نمایاں کرتے ہو۔ چور کو (اپنے خیال میں) پیدا کرتے ہو اور اس سے چوری نمایاں کرتے ہو، تم اس کے صفات اور کیریکٹر ٹھیک ٹھیک بتاؤ تو تمہارا ڈرامہ درست اگر تھوڑی بھی فروگذاشت ہوئی تو تمہارا ڈرامہ ناقص، بے کار اور فضول۔ اسی طرح خوب سمجھو کہ خدائے تعالیٰ نے بھی ساری دنیا کا ایک ڈرامہ بنایا ہے اور ہر ایک سے اس کے لائق اعمال ظاہر کرواتا ہے۔ کیا چور اگر چوری نہ کرے تو تمہاری ڈرامہ نویسی درست ہے؟ غلط۔ اسی طرح تمہارے ڈرامہ میں جتنے کام کرنے والے ہیں ان سب کے کمالات دکھاؤ تو تب ہی تمہارا ڈرامہ قابل تعریف ہوگا ورنہ نا قابل قبول۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے نظام میں جو کچھ دکھا رہا ہے وہ درست اور مناسب ہے ڈرامہ بھی ایسا عمدہ ہے کہ چون و چرا کی وہاں گنجائش نہیں۔ بعض نادان سمجھتے ہیں کہ اللہ اچھے خاصے آدمی سے چوری کرواتا ہے اور پھر سزا بھی دیتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ خدا چور کو پیدا کرتا ہے، چوری اس کے لوازم سے ہے اور سزا دینا چوری کے لوازم سے۔ ایک سلسلہ لازم و ملزوم ہے کہ چلا جا رہا ہے۔ ملزوم پایا جائے اور اس کا لازم نہ پایا جائے سراسر غلط ہے۔ چور سے چوری ظاہر ہوگی اور کوتوالی والے اس کو گرفتار کرنے میں سرگرم رہیں گے۔ چور کو عدالت میں پیش کریں گے۔ جرم ثابت کرنے میں کوشش کریں گے اور بعض اس کے چھڑانے میں اپنا زور تقریر بتائیں گے۔ عدالت سب کچھ سن کر فیصلہ سنائے گی۔ یہی چوری ہتھکڑیاں اور بیڑیاں بن کر اس کے ہاتھ میں پڑے گی اور حاکم عدالت کے حکم سے مجلس میں داخل کرائے گی۔ دیکھو! ایک چوری کے جرم میں کتنے افراد سرگرم کار ہیں۔ اتنے مختلف لوگوں کے کام کرنے کے بعد کہیں چوری کا پارٹ ادا ہوا۔ اسی طرح دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، مسلسل مرتب ہو رہا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے یہ جو نا قابل تغیر ترتیب دی ہے۔ سمجھے وہ کیا ہے؟ وہی تقدیر ہے" (صدائے معرفت حق ص ۵ تا ۷)

دنیا میں جو کچھ نمایاں ہو رہا ہے ایک نظام کلی کے ماتحت ہے جس کو "قدر" کہتے ہیں اور جزئیات جو اس نظام کے ماتحت پیدا و نمایاں ہو رہے ہیں وہ "قضا" ہے۔

اگر اس انتظام خیال میں کوئی دوسرا شریک ہوتا تو یہ حسنِ ترتیب اور باہم ارتباط کیونکر رہتا۔ میں کچھ چاہتا دوسرا کچھ اور چاہتا جس کا نتیجہ خیال کی برہمی ہوتی۔ بعض دفعہ اختلاج قلب یا بیماری نے ایک اچھے مستقبل خیال کو برقرار رہنے نہ دیا۔ اسی طرح متعدد خدا ہوتے تو دنیا برباد ہوتی۔ دو ملاؤں میں مرغی مردار ہوتی۔ ایک تن میں دو جانیں۔ ایک میان میں دو تلواریں، ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔

کیا یہ میری خیالی صورتیں مجھ سے باہر ہیں؟ کیا میں ان کے اوپر ہوں یا نیچے؟ سیدھے جانب ہوں یا بائیں؟ آگے ہوں یا پیچھے؟ نہیں میرے خیالات مجھ ہی میں ہیں۔ مجھ سے ہرگز باہر نہیں۔ ان کی شش جہت میں، میں ہی ہوں۔ انہیں ہر طرح احاطہ کئے ہوئے ہوں۔ اسی طرح عالم کے ہر ذرہ کو ذات الٰہی محیط ہے۔ اس کے ذاتی احاطہ سے کوئی شئے خارج نہیں۔ اَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ کون سی جہت ہے جدھر خدا نہیں۔

ان خیالی صورتوں میں سے کون سی صورت ہے جس کو میں نہیں جانتا ان کو، ان کی حرکت و سکون کو میں جانتا ہوں۔

اسی طرح خدائے تعالیٰ بھی کلیات و جزئیات جو کچھ آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے ان سب کو جانتا ہے۔ کوئی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں۔ لَا یَعۡزُبُ عَنۡ عِلۡمِہٖ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ فِی السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ۔ غرض کہ خدائے تعالیٰ کے لئے احاطہ ذاتی و احاطہ علمی دونوں ثابت ہیں۔

ان خیالی پتلوں کو کچھ ذاتی زور و قوت ہے؟ یا ذاتی ارادہ ہے؟ نہیں نہیں۔ ان کا زور ہے، تو میرا ہے۔ قوت ہے تو میری۔ ارادہ ہے تو بالذات میرا ہے۔ جو ارادہ کروں، وہی پتلوں سے نمایاں ہوگا۔ جس کو چاہوں نیست و نابود کر دوں ان پتلوں کی مقدور بھی ہے کہ میرے ارادہ سے سرتابی کر سکیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔

اسی طرح کسی مخلوق کو بالذات زور ہے، نہ قوت، نہ بالذات ارادہ ہے، نہ حرکت ہے۔ یہ قدرت ذوالجلال کا کرشمہ ہے۔ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ سب میں اس کا ارادہ ہے اس کے ارادے کا سارا تماشا ہے۔ وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ

کیا یہ خیالی پتلے مرتے ہیں تو میں مرتا ہوں؟ یہ دوڑتے بھاگتے ہیں تو میں دوڑتا بھاگتا ہوں؟ نہیں۔ مرتے ہیں تو پتلے۔ دوڑتے بھاگتے ہیں تو پتلے۔ میں ان کو بھی پیدا کرتا ہوں۔ ان کے کاموں کو بھی۔ میں زندہ سلامت ہوں اپنی جگہ پر قائم ہوں۔ تغیر ہے تو ان میں ہے میں تو جوں کا توں ہوں۔ اسی طرح اچھا کام کرتا ہے تو بندہ برا کام کرتا ہے تو بندہ۔ خدائے جل جلالہٗ ہمارا، ہمارے افعال و اعمال کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی وجہ سے بندے کو کاسب افعال اور خدا کو خالق افعال کہتے ہیں۔ لَہَا مَا کَسَبَتۡ وَعَلَیۡہَا مَا اکۡتَسَبَتۡ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے۔ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ تم کو پیدا کیا تو اس نے تمہارے کام کو پیدا کیا تو اس نے" (المعارف حصہ اول ص ۱۶ تا ۱۹ ایک میرا خیال)

(المعارف حصہ چہارم میں حضرت نے مسئلہ تقدیر کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے) للمرتب

"اور دیکھو! سینما کی فلم میں پتے کے بعد پتہ گرتا جاتا ہے۔ ناواقف سمجھتا ہے کہ ایک ہی تصویر قائم ہے تصاویر کے یکے بعد دیگرے گرنے سے یہ حرکت محسوس ہو رہی ہے۔ یہ سب اعیان ثابتہ کے حالات ہیں۔ جو واحداً بعد واحد نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ سینما میں جتنا کھیل ہو رہا ہے جو تماشے نظر آ رہے ہیں۔ ان کا بھی ایک نظام ہے اگر ان کا کوئی نظام نہ ہوتا تو ایک وحشیانہ نصب العین ہوتا۔ یہ تناسب یہ خوبی کہاں سے پیدا ہوتی۔ سمجھے! میں کیا کہہ رہا ہوں کہ اس تماشے کا تناسب اور اور اس کی باضابطگی کا نام تقدیر ہے۔ جس طرح سینما کے پتے مرتب ہیں۔ ان میں کوئی پتہ آگے پیچھے کر دیا جائے تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اسی طرح تقدیر الٰہی میں کسی قسم کا تغیر تبدل ممکن نہیں۔ لَا تَبۡدِیۡلَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ۔ ہاں بعض بزرگ بھی جس کو قضاء مبرم سمجھتے تھے، اٹل بات سمجھتے تھے وہ بھی کسی بڑے کی قوت سے بدل جاتا ہے۔ یعنی مبرم عندالناس وہ بھی حقیقت میں معلق تھا، اَلۡحُکۡمُ یَتَغَیَّرُ وَالۡعِلۡمُ لَا یَتَغَیَّرُ ورنہ جہل مرکب لازم آئے گا۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنۡ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیۡرًا۔ یَمۡحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثۡبِتُ وَعِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ۔ لا یرد القضاء الا الدعا و ذالک من القدر۔

جو ہونا ہے وہ ہوتا ہے جو ملنا ہے وہ ملتا ہے
جب اس کا ارادہ چلتا ہے پھر اپنا ارادہ کون کرے

(حسرت)

(المعارف حصہ چہارم ص ۵۔۶)

مکاتیب عرفان اور حکمت اسلامیہ میں حضرت نے مسئلہ تقدیر کو اس طرح سمجھایا ہے) للمرتب

''واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جان بوجھ کر یعنی علم کے ساتھ سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ پیدا کرنے کے بعد جانا ہو کہ ارے! میں نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں! یاد رکھو! عاقل کا دل پہلے ہوتا ہے اور زبان بعد۔ پہلے علم ہوتا ہے تو بعد قدرت پیدا کرنا قدرت کا نتیجہ ہے جو بعد علم ہے۔ علم میں تمام معلومات ہیں۔ جیسی چیز ہوگی اس کا علم بھی ویسا ہی ہوگا۔ ذاتِ الٰہی سے معلومات کے ظاہر ہونے کو ''فیض اقدس'' کہتے ہیں۔ (مکاتیب عرفان)

اعیان کا تجلی علمی و فیض اقدس سے علم میں نمایاں ہونا یہ حقیقۃً احتیاج الی الرب کے معنی ہیں۔ یہ تجلی، جعل بسیط ہے کیونکہ فیض اقدس سے صرف ذوات و حقائق علم میں نمایاں ہیں۔ (حکمت اسلامیہ ص ۳۹)

خدائے تعالیٰ اپنے معلومات کو، کلی ہوں یا جزئی، سب کو ایک دوسرے سے ممتاز طور پر جانتا ہے۔ معلوماتِ الٰہی کو ''اعیانِ ثابتہ'' کہتے ہیں۔ جب اعیان ثابتہ پر اسمائے الٰہی کا پرتو پڑتا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ ان کو ''کن'' فرماتا ہے تو سب چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں اس کو ''فیض مقدس'' کہتے ہیں۔ اعیان مخلوقات کا فیض مقدس کی وجہ سے خارج میں موجود ہو کر منشاء آثار ہونا یہ جعل بمعنی خلق و ایجاد ہے۔ اور یہ جعل مرکب ہے کیونکہ فیض مقدس سے حقائق اشیا یعنی اعیان ثابتہ پر تجلیات اسماء و صفات پڑنے سے آثار و احکام مرتب ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جیسے حقائق ہوں گے ویسی ہی ان پر تجلیات ہوگی۔ اس لئے بعض بزرگوں نے کہا ہے۔ علم تابع معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جیسی چیز ہوگی ویسا ہی اس کا علم ہوگا۔

فیض مقدس استعدادات کلیہ اعیان ہے اور استعدادات کلیہ لوازم اعیان سے ہیں نہ اعیان مخلوق ہیں۔ نہ ان کے لوازم کیونکہ علم و معلوم کا مرتبہ قدرت و خلق سے پہلے ہے۔ (حکمت اسلامیہ ص ۴۰)

اسمائے الٰہی کو ''رب'' اور اعیان ثابتہ کو ''مربوب'' کہتے ہیں۔ جب اسمائے الٰہی اور صفاتِ تجلیات الٰہی جو ارباب کہلاتے ہیں اپنے مربوبات پر اپنا عمل کرنا چاہتے ہیں۔ تو حکمت مقدسہ سے الٰہی حکیم و مقسط کے اسماء، ان اعیان کے ظہور کے لئے ترتیب پیدا کرتے ہیں اور ان کا نمایاں ہونا۔ ایک نظام کے مطابق ہوتا ہے۔ اس نظام میں بعض اول اور بعض آخر ہوتا ہے۔ دادا پہلے ہوتا ہے۔ بیٹا اس کے بعد، پوتا اس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اس ترتیب کا نام ''تقدیر'' ہے۔ جس کی حقیقت، جس کا عین ثابتہ نیک ہے، وہ نیک کام کرتا ہے۔ جس کی حقیقت میں کفر ہے۔ وہ کافر ہوتا ہے۔ جس کی حقیقت میں توبہ ہے وہ پہلے گناہ کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے۔ پس خدائے تعالیٰ چور کی حقیقت سے چوری نمایاں کرتا ہے۔ غرض کہ عین ثابتہ کا جیسا اقتضاء ہوتا ہے، وہی ظاہر ہوتا ہے، وہی پیدا ہوتا ہے اور اسی کے مطابق کام ہوتا ہے۔ یہ غلط خیال ہے کہ خدائے تعالیٰ اچھے خاصے، بے گناہ سے چوری اور برے کام کرواتا ہے نہیں یہاں جبر نہیں ہے زبردستی نہیں ہے چور ہی کو چوری دیتا ہے اور بد ہی کو بدی۔

نیک	فطرت	بُرا	نہیں ہوتا
بد	طبیعت	بھلا	نہیں ہوتا

یہاں چیز نہیں استلزام ہے یعنی جیسی فطرت ہوگی ویسے ہی اُس کے لوازم ہوں گے۔ ملزوم کے ساتھ لازم ضرور رہے گا۔ (مکاتیب عرفان ص ۱۶)

اعیان کے دو قسم کے استعداد ہیں:

(۱) کلی

(۲) جزئی

استعداد کلی عین کے ساتھ علم الٰہی میں ثابت ہے اور وہ غیر مخلوق ہے اور کسی خارجی شئے سے مشروط نہیں۔

استعداد جزئی عالم خلق میں استعداد کلی کی تفصیل ہے۔ یہ تفصیل اسی کلی استعداد کے مطابق مشروط بشرائط اور مخلوق اور تحت کن ہے (حکمت اسلامیہ ص ۴۰)

(حکمت اسلامیہ میں حضرت نے مسئلہ تقدیر پر حسب ذیل روشنی ڈالی ہے) المرتب

اسمائے الٰہی اپنے مربوبات پر اثر کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اسماء الٰہی مختلف و متضاد ہیں۔ مثلاً خالق، رب، ممیت۔ پس یہ سب ایک وقت میں اپنا اثر و عمل نہیں کر سکتے لہذا اسم مقسط بمدد اسم حکیم ان اسماء میں ترتیب ہوتا ہے۔ اس ترتیب عام و نظام کلی کو تقدیر کہتے ہیں۔ تقدیر کے مطابق ایک ایک شئے ظاہر ہوتی ہے تو اس کو قضاء کہتے ہیں۔ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ عالم شہادت میں معلوم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عالم شہادت میں

صرف حال معلوم ہوتا ہے نہ ماضی معلوم ہوتا ہے ، نہ مستقبل، اس لئے یہ سب جدوجہد ہے، سعی وعمل ہے۔ جو آدمی جس عالم میں ہے اس کو اس کے لوازم پورے کرنے ضروری ہیں۔ جزئی ارادہ رکھ کر بے ارادتی کا دعویٰ، چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ جھونپڑیوں میں رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا مضحکہ انگیز ہے۔

علم الٰہی ہے عالم مثال میں بعض دفعہ ایک شئے کے وجود کے تمام موقوف علیہ اور اسباب وعلل مرئی ونمودار نہیں ہوتے اس وقت اس قضاء کو قضاء معلق کہتے ہیں۔ اگر جزء خیر اور متمم آجاتا ہے، تو وہ شئے موجود ہو جاتی ہے۔ اگر مانع مترشح ونمایاں ہو جاتا ہے۔ تو شئے موجود نہیں ہوتی۔ بالجملہ متمم یا مانع کے ظاہر ہونے کے بعد کہا جاتا ہے کہ قضاء معلق مبرم ہوگئی۔

دنیوی امور میں کوشش، اخروی امور میں جدوجہد، دعا اور طلب دعا کا دارومدار اسی قضاء معلق پر مبنی ہے۔

قضاء معلق کو علت ناقصہ اور قضاء مبرم کو علت تامہ سمجھو مکمل سلسلہ عالم شہادت میں بعد وقوع معلوم ہوتا ہے۔ ہاں خدائے تعالیٰ کے علم میں عالم اور عالم میں جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ ہے۔ مگر وہاں تک کسی کی رسائی ہے، وہ خود کسی کو اطلاع دے دے تو اس کا فضل ہے۔ یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَ عِنْدَہٗۤ اُمُّ الْکِتَابِ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۔ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔

کوئی شئے ذرہ بے مقدار سے خورشید پر انوار تک ذات الٰہی سے بلکہ جملہ اسماء سے خالی نہیں۔ زیادہ بریں نیست کہ ایک اسم مقدم وحاکم رہتا ہے اور دوسرے اسماء اس کے معین وتابع رہتے ہیں۔ یہ معنیٰ ہیں الکل فی الکل کے یعنی ایک میں سب کچھ۔

معطل یا بے کار وہ ہے جو اپنے کام کے وقت کام نہ کرے۔ تمام اسماء الٰہیہ چونکہ اپنے وقت پر کام کرتے ہیں لہٰذا ان میں سے کوئی معطل نہیں۔

کمال جس کو کہتے ہیں وہ کسی شئے سے اسماء وصفات الٰہیہ کے ظاہر ونمایاں ہونے کا نام ہے جس سے جس قدر اسماء الٰہیہ زیادہ نمایاں ہوں گے وہ شئے اتنی ہی کامل ہوگی۔ اگر مرآۃ دل بالکل صاف ہو، خطرات بند ہوں۔ کوئی ذاتی خواہش باقی نہ ہو۔ تو وہ تجلی گاہ حق ہوگا۔ جام جہاں نما ہوگا۔ مرآۃ حقائق ہوگا۔ ایسا شخص اپنے آئینہ دل میں سریان نور وجود کو ہر مخلوق میں مشاہدہ کرے گا۔ سچ پوچھو تو ایسا ہی شخص انسان کہلانے کے قابل ہوگا۔ تاج خلافت اسی کے زیب سر ہوگا۔ (حکمت اسلامیہ ص ۳۸۔۳۹)

☆☆☆

شاہ جی کا لبیک یارسول اللہ سیمینار میں خطاب

جماعت اہلسنت پنجاب کی قیادت لائق تحسین ہے کہ اس نے ذہنی خلفشار کے دور میں "تحفظ ناموس رسالت مآب" کی تحریکی نوکری میں اس خوبصورت بزم کو سجانے کا اعزاز حاصل کیا۔ سامعین! آپ نے عظیم دانشوروں کے عظیم خیالات سماعت فرمائے۔ عشق رسول کی پھلجھڑیوں نے مشام ایمان کو معطر کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں جس دور میں ہم سانسوں کی آری سے شجر زیست کاٹے جا رہے ہیں وہ بے چینی، اضطراب، تشکیک اور روحانی خسران کا دور ہے۔ قافلہ انسانیت کی اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہوگی کہ وہ اس کائنات میں عظمتوں کے مینار سے گرتے ہوئے ایک بے قیمت ریزہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ بلاشبہ مادی لحاظ سے ترقی کا گراف بڑھا ہے لیکن اقدار اور روحانیت زوال پذیر ہے۔ انسان نے اپنی فلاح کے جتنے راستے خود سے متعین کر رکھے ہیں وہ اسے کامیابیوں سے ہمکنار کرنے کی بجائے تباہی اور بربادی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ وہ صدیوں کے چرخ پر گھومتے گھومتے جب سفر کی منزل کا جائزہ لیتا ہے تو ادھر ہی کھڑا ہوتا ہے جہاں سے وہ چلا ہوتا ہے۔ اس کی عقل محدود ہے۔ اسکی منطق غلط ہے، اس کے فیصلے قابل اعادہ ہیں۔ اسے اپنے بارے میں کم از کم مخلصانہ سوچ اپنانی چاہیے اور دامن طلب اسی قدسی قافلے کے سامنے پسارنا چاہیے جو اللہ کی طرف سے مقاصد حیات متعین کرتا ہے، راہ مستقیم کو خطرات سے محفوظ بناتا ہے اور اپنی کرم گستری اور رحمت مزاجی سے انسانیت کو شہکار انسانیت بناتا ہے۔

سمندروں کی خوفناک موجوں اور دبیز لہروں میں جو شخص اپنی ہی کشتی کے چپو توڑتا ہے وہ عقل اور سوچ سے محروم ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اس دنیا میں ادب، عزت، توقیر اور تعظیم کے مفہوم سے آگاہ نہیں وہ اپنی اصل اور حقیقت سے بھی آگاہ نہیں۔ یہ گالی نہیں حقیقت ہے، یہ سب و شتم نہیں بلکہ مظلوم اظہار ہے جو صداقتوں کی فضا میں کھڑا کوئی تنہا شخص محض اس لیے کر رہا ہے کہ مجنون انسانوں کے وہ جنونی دھکے جن سے آدمیت مر رہی ہے اور حیوانیت کی تجدید ہو رہی ہے۔

ایک حقیقت آپ کو زیر نظر رکھنی پڑے گی ناموس رسالتمآب ﷺ کا حساس مسئلہ جاننے سمجھنے کے لئے تاریخ کے یہ بھیانک موڑ آپ کے سامنے ہونے چاہئیں۔ جس کی دکان پر عطر ہو عطار وہی ہو سکتا ہے اور پھول کاشت کرنے والا ہی قاسم گل ہونے کا اعزاز پا سکتا ہے گندگیوں میں بھنبھنانے والے بھنبھورے بدن انسانیت میں تباہ کن جراثیم منتقل کرنے ہی کی بدکاری کر سکتے ہیں۔ رنگ بہاروں میں نظر آ سکتے ہیں اور سچے رومان کسی آب جو میں نہاتی ہوئی گل بدن شاخوں سے سیکھے جا سکتے ہیں بچھو جو اپنی ماؤں کو کھا جاتے ہوں اور سانپ جو اپنے بچوں کو نگل جاتے ہوں ان سے تہذیب نہیں سیکھی جا سکتی اور ان سے خیر کی توقع بھی نہیں رکھی جا سکتی۔

یہ ایک تاریخی المیہ ہے کہ دنیا پر سچائیوں کی گرفت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ ہندو دھرم میں ادب اور توقیر کی قدروں میں تضاد ہے۔ یہ مذہب انسان کو مجبور، بے بس، اور حقیر شئی سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس مذہب میں انسانی حسن گائے کے پیشاب میں آلودہ دکھائی دیتا ہے۔ یہاں ادب اعتدال کی راہ سے ہٹ کر فطرت کی بڑی طاقتوں سے اسقدر مرعوب ہو جاتا ہے کہ بات بت پرستی پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ اگر اس مذہب کا کوئی حامل کسی اچھے انسان کو گالی دے تو تعجب ہوگا جو بتوں کی چرنوں میں زندگی ڈبو دیں وہ انسانی مورتوں سے محبت کر سکتے ہیں ان کی توہین نہیں یہاں اس دھرم میں تعظیم اور ادب کے مفہوم کو نکھارنے کی ضرورت ہوتی ہے یہاں نافع اور ضار قوتوں سے کمپرومائز (Compromise) سکھایا جاتا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ابھی تک مارشل لا نہیں لگا اور ہم ہیں کہ تم "کمپرومائزنگ ایلیمنٹ" سے محروم لوگ ہیں اس لئے آئین، قانون بلکہ ہر شئی کی دھجیاں بکھیرتے رہتے ہیں اگر ہم اپنا مذہب پورے کا پورا مانیں تو مسئلے حل ہو جائیں ورنہ آدھا تیتر آدھا بٹیر موجودہ پیچیدگیوں کو جنم دیتا رہے گا۔

بدھ مذہب قدیم مذہب شمار کیا جاتا ہے وہ انسان اور کائنات کو دکھوں کی آماجگاہ تصور کرتا ہے۔ اس مذہب کے مطابق دنیا بنی ہی اس لئے ہے کہ انسان کو رنج اور غم پہنچے اسی لئے اس مذہب کے مطابق اچھا اور کامل انسان وہ ہوتا ہے جو رنج و محن سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی خواہشات ترک کر دے اور دنیا سے کوئی دلچسپی نہ رکھے، نفس کشی، ریاضت اور دنیا کو تیاگ دینا اس مذہب میں معراج کی حیثیت رکھتا ہے ان لوگوں کے نزدیک کسی کو دکھ دینے والا شخص کبھی کامل نہیں ہو سکتا۔ حاصل مدعا یہ کہ جنگ، سب و شتم طعن و تشنیع اور جرح والم اس مذہب کے اساسی قوانین کے خلاف ہیں وہ انسانوں کے ساتھ رہتے ہی نہیں اس لئے معاشرتی قدریں اس مذہب میں بہت کمزور رہتی ہیں البتہ انکا فلسفہ اخلاق تمام اچھے انسانوں کی قدر کرنے کا سبق دیتا ہے۔

موجودہ عیسائیت کا درس تعجب ناک ہے۔ وہ انسان کو ازل سے خطا کار سمجھتے ہیں اور دنیوی زندگی کو محض گناہ سے عبارت مانتے ہیں ان کے نزدیک جو شخص مسرات زندگی سے لطف اندوز ہو وہ آسمانی بادشاہت سے حصہ نہیں پا سکتا۔ اس مذہب کے محول عقیدہ نے حاملین عیسائیت کا اخلاقی دیوالیہ کر دیا ہے۔ کفارہ کے اعتقاد نے انہیں مادر پدر آزاد بنا دیا ہے وہ لوگ جن کا نظریہ اخلاق عملاً معدوم ہو وہ انسانیت کا سہارا

کیسے بن سکتے ہیں لیکن دنیا میں جس مسیحی نظریہ اخلاق کا درس دیا جاتا ہے وہ تو بذات خود مقصود حیات ہیں جو باتیں لکھی جاتی ہیں ان کے مطابق انسانوں تک کی ہتک کو برا سمجھا جاتا ہے لیکن پیغمبروں اور رسولوں کی قدر دانی کے معاملہ میں عیسائیت کی تاریخ دوغلے پن کا شکار ہے۔ آج تک جتنے شاتمین رسالت پیدا ہوئے ہیں وہ اسی مذہب کے ماننے والوں کی شہہ پر پیدا ہوئے ہیں۔

یہودیوں کا مذہب نسلی تعصبات جنم دینے والا ہے یہ لوگ اپنے آپ کو "ابن اللہ" سمجھتے ہیں۔ دنیا بھر میں ہتک رسالت کی جتنی کوششیں ہورہی ہیں ان میں مرکزی کردار صیہونی شیطانوں کا ہے۔ بدبخت گستاخ رسول قادیانی ہوں یا ناروے کے عیسائی یا ہندوستان کے ملحد یا مسلمانوں کی صفوں سے خریدے ہوئے بے غیرت سب صیہونی سازشوں کا تسلسل ہے۔

اقدار اور عزت ہتک کے مذہبی تصورات کے بعد عمرانی اور تحقیقاتی سوچوں نے بھی انسانیت کو خسران عظیم کا شکار بنایا۔ ان علمی تحقیقی معرکوں سے ادب عالیہ کی صافی قدروں کا تصور کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ ارسطوانی تصور انسانیت یہ ہے کہ انسان سیاسی حیوان ہے۔ نجمن کہتے ہیں اسلحہ اکٹھا کرنے والا انسان ہے۔ اور ڈارون کی ڈراونی تھیوری کہ انسان کو گوشت اور ہڈیوں کا مرکب سمجھا ہے انہوں نے انسان کو چہرے مہرے کے اعتبار سے دیکھنا چاہا ہے۔ ہڈیوں کو ترتیب دے کر انسان کا سلسلہ نسب بندروں سے جوڑا ہے ان کا خیال یہ ہے کہ انسان ہمیشہ انسان نہیں رہا۔ یہ ہے وہ موقع کہ میں برملا کہنا چاہوں گا کہ انسان نہ ہمیشہ انسان رہا اور نہ ہی آج انسان انسان دکھائی دیتا ہے۔ آپ عزت اور توقیر کی لغت اسلام، اسلام اور صرف اسلام میں دیکھیں گے۔ "اسلام" کو نکال کر باقی تمہاری دنیا میں سوائے وحشت کے کچھ اور نظر نہیں آتا۔ قرآن مجید نے تو فرشتوں کے سامنے بھی اندیشۂ فساد کو رد کرتے ہوئے تاریخ انسانیت یہ بیان کی کہ "انسی جاعل فی الارض خلیفة"۔ اللہ نے انسان کو عقل سے نوازا ہے، بصیرت سے نوازا ہے، بصارت عطا کی ہے، یہ مقام انسانیت ہے بظاہر اب انسانوں کی شکل میں دو طرح کے لوگ دکھائی دیتے ہیں خود کو ریچھوں کی اولاد کہنے والے اور خلافت کا تاج سر پر سجائے رکھنے والے، دونوں کی خوا پنی اپنی ہے، عادات اپنی اپنی ہیں، زبانیں اپنی اپنی ہیں اور نشت و برخاست اپنی اپنی ہیں۔ تہذیب اور تمدن سب جدا جدا ہیں۔ بندریائی تہذیب کے پرچم بردار رشتوں کا تقدس کیا جانیں۔ انہیں کیا معلوم مقام نبوت کیا ہے۔ ادب اور عزت نہ ان میں ہے اور نہ وہ کرنا جانتے ہیں مسلمانوں کو کام، احتجاج اور اظہار سب کا طریقہ تہذیبی اقدار کے مطابق کرنا چاہیے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ "اقرا" اور قرآن کے نور نے شرق و غرب میں انداز زیست بدل دیا، مکہ سے مدینہ، بغداد سے اجمیر، دلی سے ملتان، اچ شریف سے دیبل تک اور قرطبہ، غرناطہ، اشبیلہ، نیشا پور، سمرقند، بخارا، قاہرہ اور شیراز جس نور سے جگمگا اٹھے وہ اسلام ہی کا نور تھا مغرب میں اگر کوئی روشنی چمکی تو وہ مسلمانوں ہی کے وجود سے تھی۔

رابرٹ بریفالٹ نے فراخدلی سے تسلیم کیا کہ مغرب کی نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ اٹلی نہیں ہسپانیہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ مغرب کی علم دشمنی کہ مسلمانوں سے سب کچھ سیکھ کر انہی کے شہروں، ملکوں اور ریاستوں کو تاراج کیا، ہسپانیہ، بغداد، دلی، سمرقند کی تہذیبوں کو اجاڑنے کے بعد دور حاضر میں عراق میں پندرہ لاکھ مسلمان شہید کیے اور افغانستان میں پانچ لاکھ شہادتیں ہوئیں اور ابھی سلسلہ رکا نہیں۔ بات صرف ناموس رسالت کی توہین کی نہیں حضور ﷺ کے نام لیواؤں کی نسلیں ختم کرنے کی تیاری ہورہی ہے اور ایسا ہرگز انشاءاللہ نہیں ہوگا۔

مسلمانو! سوچنا ہوگا یہ کتابیں کس نے لکھیں

1. How Not To Pay Incom Tax
2. How To Commit Frauds
3. 2000 Insults
4. How To Comit Suicide
5. How To Kill Your Husband
6. Other People Money
7. ہالینڈ میں اسلام کے خلاف بننے والی فلم
8. رشدی کی شیطانی آیات

یہ کہہ کر میں صرف اس بات کا اظہار چاہتا ہوں کہ انسانیت زوال پذیر ہے احترام، عزت کے تصورات ختم کرکے انسانی فطرت مسخ کی جارہی ہے ہر بڑے شخص کا احترام صرف مذہب کی تعلیم نہیں، ایک فطری جذبہ ہے اگر کوئی خود اس کو جان بوجھ کر دبائے نہ تو یہ خود بخود ظاہر ہو

جاتا ہے۔ کسی معاشرے میں اگر ان اقدار کا فقدان ہو تو سمجھ لو کہ سوسائٹی خود غرضی اور خود فراموشی کا شکار ہے۔ بنیادی طور پر جذبات، خوف، شہوت، محبت اور شجاعت کے استعمال کے لئے کوئی کامل نمونہ نہ ہوگا تو معاشرہ انارکی کا شکار ہو کر اعتدال کھو جائے گا بنیادی طور پر مغرب اور مغرب کے زیر تربیت مشرق جنونیوں سے بھر چکا ہے۔ شہوات کی تولیت نے اعلیٰ انسانی اقدار کا جنازہ نکال دیا ہے۔ انسان ناکارہ، وہمی اور کاہل بن چکے ہیں۔ بے رحم سفاک لٹیروں نے اجتماعی زندگی کا حسن چھین لیا ہے۔

احترام تو انسان کو ماں کی گود میں فطرت عطا کرتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ حیات انسانی اس فطری جذبہ سے فیض یاب ہونے لگ جاتی ہے۔ جس نسل اور قوم میں احترام کا جذبہ نہیں رہے گا وہ ماضی سے کٹ جائے گی اور ماضی سے کٹنا ہی عذاب ہے۔

اگر انسانیت کی یہ صحیح معنوں میں ضرورت ہے تو اس کی تکمیل سوائے حضرت محمد ﷺ کی غلامی کے ممکن نہیں آپ نے خود فرمایا تھا میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

حضور ﷺ کی ذات اطہر ہمہ پہلو اور ہشت جہت رحمت ہے۔ انسانیت کا وقار حضور ﷺ کی ذات سے ہے۔ رشتوں کا شعور آپ نے عطا فرمایا ہے۔ انسانوں کے لیے بصارت کی آنکھ آپ نے کھولی ہے۔ دلوں کو آپ نے پاک کیا ہے۔ روحوں کو آپ نے سکون بخشا ہے۔ دماغوں کو آپ نے روشن کیا ہے۔ امن عامہ کو استحکام آپ کی ذات سے ملا ہے۔ الم اور مسرت کے ہر پیمانے میں انسانوں کی رہبری آپ نے فرمائی ہے۔ بادشاہوں، مادی وڈیروں اور تہذیبی لٹیروں نے دنیا کو جو بگاڑ رکھا تھا ایک ہی بار میں خاندان ارضی میں آپکے دم قدم سے بہاریں آئی ہیں۔ یا شبہ آپ ہی کے وسیلہ جلیلہ سے انسانی قافلوں نے خاکی ذروں، آبی قطروں، رقص بداماں گھٹاؤں اور کوندتی بجلیوں میں معرفت کے جلوے دیکھے ہیں۔ غریب پروری کا درس آپ نے دیا۔ مسکین نوازی کی اقدار آپ نے قائم فرمائیں۔ نسلی تعصبات کی جاہلانہ رسوم کو آپ نے پاؤں تلے روندا تھا۔ نام ونسب کے بت آپ نے پاش پاش فرمائے تھے۔ جو ان سے ملا اس نے آپ کی رحمتوں کو سمیٹا۔ یہ آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

''جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی کوئی رحم نہیں کرتا''

آپ ہی کی زبان نور سے یہ گوہر ہائے تابدار صادر ہوئے:

''جو ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں''

آپ صلہ رحمی فرماتے، قرض داروں کے قرضوں کا بار اٹھاتے، غریبوں کے ساتھ معاونت فرماتے، حق کی حمایت کرتے، یتیموں پر شفقت برتتے۔ آپ کو کسی بھی شخص کا بھوکا رہنا گوارا نہ تھا۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے:

''اللہ کے نزدیک سب سے برا شخص وہ ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں''

حضور انور ﷺ نے انسانی ہدایت کے لئے قابل اعتماد اور باوثوق تحفہ قرآن حکیم کی صورت میں عطا فرمایا۔ اس کتاب میں تمام انسانوں کے لئے حکمت کے بے بہا خزانے ہیں۔ اس نے سوچ دی ہے۔ اکابر، انبیاء، اہل علم اور اہل دانش کا احترام سکھایا ہے۔ اس کتاب نے رد وقدح بھی کی ہے لیکن لہجہ دلنشین رکھا ہے۔ اسی لئے اسے احسن الحدیث بھی کہتے ہیں۔ اور یہ قول فیصل بھی ہے۔ اسے برہان ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اس نے تو اپنے اعجاز اسلوب سے احترام کی قدروں کو یہاں تک رفعت بخشی کہ کہہ دیا "ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ"

اس دنیا کی اپنی بدقسمتی کہ جس نے کوثر وسلسبیل سے لوگوں کی زبان کو دھویا۔ جس ہستی نے ہر ایک کا احترام سکھایا۔ جس نے انسانیت کے سر پر ''کرمنا بنی آدم'' کا تاج رکھنے کا اعلان کر کے اس کی عزتوں اور توقیر کو معراج کرائی اس نبی رحمت اس محسن انسانیت، اس برہان ہدایت اور اس رسول کرم واعزاز کے لئے چھچھورے الفاظ استعمال کرنا، توہین اور گستاخی کرنا اور اہانت کرنا انسانی بدبختی ہے۔ آسمان زمین کا جھومر ہے جب آسمان کی کوئی توہین کرے گا تو زمین خود بے وقعت ہوگی۔ تاروں کا حسن کسی سورج کا مرہون منت ہوتا ہے جب سورج کی کرنوں کی بے وقعتی ہوگی تو تاروں کے نور کا کیا اعزاز بچ جائے گا۔ جس دنیا میں رسولوں کے مصدق کو سب وشتم ہوگی اس دنیا کو باقی رہنے کا کیا حق بچ جائے گا۔ جو قوانین، جو ملتیں، جو حکومتیں اور جو ریاستیں حضور ﷺ کے ناموس کی اہانت کرنے والوں کے لئے نرم گوشہ رکھتی ہیں وہ اپنے Death وارنٹ کی توثیق خود کرتی ہیں۔ امن عامہ کے لئے پوری دنیا میں آوارہ کتوں کو گولی ماردی جاتی ہے اگر کسی قوم میں کوئی بدبخت بھونکتا ہے تو اس ریاست کو چاہیئے کہ انسانی عظمت اور وقار کی بحالی کے لئے ایسے ناسوروں کو مٹانے کے احکام صادر کرے۔

اے آسمان! مجھے تھوڑی دیر کے لئے اپنی رفعت دے۔

قوس قزح! لا ذرا اپنے رنگ۔

اے ماہ تابندہ! روشنیوں کا غازہ حاضر کر۔

تاروں کی بستی سجانے والے! اپنے تاروں کی روشنی میرے دامن میں ڈال۔

باد نسیم! اپنی خنکی نچھاور کر۔

اور

اے سمندروں اور دریاؤں کی لہرو!

ذرا روشنائی بن کر حاضر ہو۔

اور

دنیا بھر کے درختو!

ذرا قلم بن جانا

کہ مل کے مدح محمد کا ترانہ لکھیں اور ساری دنیا کو بتائیں کہ دنیا کی سج دھج بس ایک ہی نام کا صدقہ ہے۔ وہ ہیں تو سب کچھ ہے۔ وہ دیکھو مجاہدوں کی صف میں حسین وبلی اور عامر وعلم، سب انتظار میں ہیں جو ہمارے محبوب کے نام کی توہین کرے گا وہ ہمارے جذبوں کے انتقام سے بچ کر نہیں رہ سکے گا۔

بوصیری! تو قبر سے اٹھتا کیوں نہیں۔۔۔۔؟

ابن رواحہ! تیرے زمزمے کدھر گئے۔۔۔۔؟

حسان! حالات کی گھٹاؤں سے نعتوں کی بجلیاں روشن کر۔

اقبال! تو امت کو ڈانٹا کرتا تھا کہاں سو گیا۔۔۔؟

ظفر علی خان! تیرا احتجاج کدھر بک گیا۔۔۔۔؟

احمد رضا! آ دنیا کو پھر تیرے عشق کی ضرورت ہے۔

آ ذعمل سے، آگے بڑھو گرمی عشق سے، تیز تر گامزن میرے مومن بھائی! ثابت کر

آبروئے ما زنام مصطفٰی است

ہم سب مقروض ہیں اور اس قرض کو ادا کرنا ہے

دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

مغربی معاشرہ شروع ہی سے نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے۔ ان کے ہاں اخلاقی تربیت کا کوئی نظام موجود نہیں۔ ان کے ہاں یہ بات سوچ لی گئی تھی کہ تخلیق اور ترقی کے لئے مذہب کا مر جانا ضروری ہے شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے اپنے پرانے مذہب ہوس ناکیوں کا شکار ہو کر رد ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ زندگی اور مذہب کو جدا کر لینے کی کامیابیوں نے انہیں محسن ہائے انسانیت کا گستاخ بنا دیا ہے۔ دردناک بات یہ ہے کہ مغربی تھنک ٹینکس کے پاس مذہب کا متبادل کچھ بھی نہیں۔ وہ جنگلی بھیڑیئے بنتے جا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اسلام کے بارے میں ان کے تاریخی تجربے شاید کامیاب ہو جائیں۔ انہوں نے اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کا تعلق حضور ﷺ سے کمزور کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے ہیں لیکن مسلمانو! ہم نے اور تم نے یہ ثابت کرنا ہے کہ مرنے والے مذہب چلے گئے۔ اسلام نور ہے، اسلام حق ہے اور اسلام حقیقت۔ جس کو نہ دبایا جا سکتا ہے اور نہ مٹایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر اسد کے الفاظ میں اپنی گفتگو ختم کرنا چاہوں گا '' مغرب و مشرق کو دور جدید نے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اب انتخاب کرنا خود اسکا کام ہے کہ اسے کس راہ چلنا ہے۔ اس پر جس پر لکھا ہوا ہے ' احترام وعزت ' یا پھر اس سڑک پر چلنا ہے جہاں خطرناک جہنمی کھڑے ہیں، شور و ہنگام ہے اور لکھا ہے، خیر کو پیٹھ دو ''

ایک عزم کے ساتھ گفتگو سمیٹوں

ایک اظہار کے ساتھ ایمان کو گرمی دوں

حضور ﷺ کے ہر گستاخ کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں

ہر توہین کرنے والے کے گلے میں مونجھ کی رسی
جسموں کے آتش جہنم
تمھارے لئے
ہمارے لئے ہمارے پیارے محمد ﷺ
اسلام زندہ باد۔۔۔۔نظام مصطفیٰ پائندہ باد
نعرۂ تکبیر ورسالت۔۔۔اللہ اکبر۔۔۔۔یارسول اللہ

☆☆☆

آپ کا نام غلام محمد ہے۔ جس کی بنا پر آپ کی مہر پر یہ مصرع لکھا گیا تھا

فخرم ہمیں بس است غلام محمدم

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام علوم معقولات و منقولات کا جامع بنایا۔ اس لئے لوگ خصوصا علماء کرام آپ کو نام کی بجائے الشیخ الجامع کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

ولادت:

آپ پنجاب کے ضلع گجرات موضع ملکھو وال کے راجپوت زمیندار گھرانے میں 1886ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم:

ملکھو وال کے سرکاری سکول سے پرائمری (پانچویں) کا امتحان امتیازی حیثیت میں پاس کیا اور پھر چکوڑی شریف کے درس میں داخل ہوئے اس مادر علمی میں حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر انتخاب نے ایسا روحانی اثر دکھلایا کہ آپ تا حیات انہی کے ہو کر رہ گئے آپ نے اپنے والد گرامی چوہدری عبداللہ عرف گہنہ خان کی زرعی اراضی میں سے اپنا حصہ اپنے بھائیوں کے نام کیا اور خود حصول علم کی لگن میں غریب الوطنی کی راہ پر گامزن ہوئے۔ قصبہ محمد پور گھوٹہ ضلع ملتان میں حضرت مولانا محمد جمال گھوٹوی کے درس میں شمولیت اختیار کی۔ حضرت استاد نے جوہر کمال کو پہچانا تو اپنا بیٹا بنالیا جس وجہ سے آپ اپنے آپ کو گھوٹوی کہلاتے رہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان پر آپ کان پور میں حضرت مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے 1904ء میں کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ حضرت مولانا فضل حق رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہوئے۔ 1907ء میں مدرسہ عالیہ رامپور سے سرکاری سند حاصل کی اور ساتھ ہی حضرت رامپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے بھی سند امتیاز عطا فرمائی۔ جس میں آپ نے اپنے اس شاگرد رشید کے بارے میں لکھا "میز فی جمیع العلوم معقولا و منقولا وبلغ مرتبۃ التحقیق فی جملۃ الفنون فروعا واصولا وھو الفاضل الکامل المستند الجید المولوی غلام الملتانی وطنا واللثانی لقبا" اس سند کے نیچے حضرت رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی مہر لگی ہے اور اوپر ریاست رامپور کی سرکاری مہر لگی ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو دو سندیں عطا فرمائیں۔ مدینہ منورہ طیبہ طاہرہ سے حضرت مولانا عبدالباقی الایوبی الانصاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الشیخ احمد رضوان المدنی نے بھی آپ کو سندات مرحمت فرمائیں۔

آپ کا رجحان علوم عقلیہ منطقہ و فلسفہ کی طرف تھا مگر 1911ء میں مدینہ طیبہ کی حاضری کے موقع پر سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ کی طرف سے مبارک خواب میں حدیث شریف پڑھانے کا حکم ملا پھر زندگی بھر حدیث پاک کی خدمت کرتے رہے۔

تدریسی خدمات:

حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے وقت وصال وصیت فرمائی جس کی وجہ سے آپ نے گھوٹہ شریف میں مسند تدریس سنبھالی اور دور دراز کے تشنگان علم پروانہ وار درس گھوٹہ شریف میں جمع ہونے لگے۔

جامع عباسیہ بہاولپور:

ریاست بہاولپور کے عباسی فرماں روا نواب صادق محمد خان خامس عباسی نے عباسی خاندان کی درخشندہ علمی روایات کے پیش نظر جامعہ عباسیہ کے نام سے یونیورسٹی قائم کی جو روئے زمین پر جامعہ الازہر کے بعد دوسری اسلامی یونیورسٹی تھی تو ایک جلیل القدر علمی شخصیت کی تلاش ہوئی جو کما حقہ جامعہ عباسیہ کی سربراہی سنبھال سکے۔ ہر طرف کے علماء نے صرف ایک ہی نام تجویز کیا وہ نام حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ آخر کار حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان پر آپ نے 25 جون 1925ء کو بہاولپور میں بانی شیخ الجامع کا منصب سنبھالا۔ جامعہ عباسیہ کا نصاب تعلیم تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ کا جامعہ تھا۔ نہ صرف برصغیر پاک بھارت سے بلکہ پورے ایشیا سے طلباء علم کھنچے کھنچے یہاں آنے لگے حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے لخت ہائے جگر (پوتے) حضرت سید غلام معین الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قبلہ شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس جامعہ سے تعلیم پائی۔

تحریک پاکستان:

جب تحریک پاکستان چلی تو بہاولپور کا ایک مذہبی حلقہ ہندو کانگریس کا ہمنوا ہو گیا مگر حضرت الشیخ الجامع نے تحریک پاکستان میں بھرپور تعاون اور جوش جذبے کے ساتھ مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ کانگریسی حلقہ آپ اور آپ کے متبعین کو لیگی مولوی کہتے تھے۔ آپ نے مسلم لیگ کا

ذیلی ادارہ مسلم بورڈ بہاولپور کے نام سے قائم فرمایا۔ پیرزادہ محمد سلیم اسلم ایڈووکیٹ کو اس کا صدر بنایا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت علامہ حافظ محمد عبدالحی چشتی بھی اس بورڈ کے ممبر بنائے گئے۔ کانگریسی حلقہ مسلم لیگ کے حامیوں پر زبان درازی کرتا تھا۔ تو آپ اشعار میں ان کا جواب دیا کرتے تھے اور یہ شعر اکثر کہا کرتے تھے:

او برہمنی راج کی تحریک کے حامی
تیرے لئے کافی ہے محمد ﷺ کی غلامی

جون 1946ء میں قائداعظم نے جناب عبدالرحمن چنگیز ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ کی معرفت آپ سے استدعا کی تھی کہ آپ آئین پاکستان کا ایک اسلامی خاکہ مرتب کر کے دیں اس سلسلہ میں جناب چنگیز صاحب نے ایک سوالنامہ ترتیب دیا اور حضرت الشیخ الجامع نے اس کے جوابات تحریر کرائے جو قائداعظم کو ارسال کر دیے گئے ان جوابات کی ترتیب آستانہ عالیہ غوثیہ گولڑہ شریف میں بیٹھ کر کی گئی۔ اس مقصد کے لئے آپ کے صاحبزادے، علامہ حافظ محمد عبدالحی چشتی کو بھی بہاولپور سے گولڑہ شریف بلا یا گیا وہ بھی اس کار خیر میں شریک ہوئے۔ 14 اگست 1947ء کو قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو آپ گولڑہ شریف میں قیام پذیر تھے ریڈیو پاکستان سے آواز گونجی ''یہ ریڈیو پاکستان لاہور ہے'' یہ آواز سنتے ہی آپ نے قبلہ رخ ہو کر بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا خدائے قدوس کا شکر ہے کہ جیتے جی انگریزی دور کو ختم ہوتے دیکھ لیا ہے۔ ہندو اور انگریز ماہرین اقتصادیات پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ پاکستان معاشی طور پر مفلوج ہوگا۔ مگر قیام پاکستان کے بعد مارچ 1948ء میں جناب غلام محمد وزیر خزانہ پاکستان نے سالانہ بجٹ پیش کرتے ہوئے پچاس لاکھ روپے کا نفع دکھلایا تو آپ نے یہ خبر سن کر فرمایا اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دشمنان اسلام کا پروپیگنڈہ جھوٹا ثابت ہو گیا۔

آپ نے حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے ایما پر راولپنڈی اور ہزارہ کے علاقوں میں جماعت الاسلام کے نام سے ایک تنظیم قائم فرمائی۔ بہاولپور کے علاقے میں حزب اللہ کے نام سے جماعت بنائی۔

دینی خدمات:

آپ نے بہاولپور میں اپنے مکان پر محفل میلاد شریف کا اہتمام کیا جسکے بعد بہاولپور میں محافل میلاد النبی ﷺ کو فروغ ملا۔ پنڈی گھیب میں مولوی غلام خان صاحب نے اس بات پر مناظرہ کا چیلنج دیا کہ اذان سے پہلے یا بعد میں صلوۃ وسلام پڑھنا جائز نہیں۔ حضرت الشیخ الجامع اس مناظرہ میں مدعو کیے گیے اور آپ نے ثابت کیا کہ اذان سے پہلے صلوۃ وسلام پڑھنا جائز ہے۔

جامعہ عباسیہ بہاولپور میں کچھ مولوی صاحبان نے آپ کے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کی صفت علم غیب پر اعتراضات اٹھائے تو آپ نے علم غیب کے اثبات میں دلائل دیے تو سارے مولوی صاحبان خاموش ہو گئے۔ 30 مارچ 1936ء کو مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان نے آپ کو عریضہ لکھ کر تقلید شخصی کے موضوع پر مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ طے شدہ مناظرہ میں شرکت کیلئے استدعا کی۔ آپ نے اس مناظرہ میں شرکت فرمائی اور قرآنی دلائل سے تقلید شخصی کو ثابت فرمایا۔

ختم نبوت:

1926ء میں احمد پور شرقیہ کی خاتون غلام عائشہ کا نکاح ہوا۔ وہ لڑکا جس سے نکاح ہوا اپنی بدنصیبی سے مرزائی ہو کر مرتد ہو گیا لہٰذا از روئے دین اسلام اس کا نکاح باطل ہو گیا لیکن مرزائیوں نے اس کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ مقدمہ کی ساعت کے لئے سپریم کونسل کا اجلاس رکھا گیا۔ ریاست بہاولپور کا انگریز منسٹر تاؤن شنڈ بھی اس کونسل کا ممبر تھا جب حضرت الشیخ الجامع اپنا بیان ریکارڈ کروانے کے لئے کونسل کے سامنے آئے تو اس انگریز منسٹر نے کہا کیا آپ قرآن سے ختم نبوت ثابت کر سکتے ہیں؟ حضرت الشیخ نے فرمایا میں قرآن مجید کی ہر آیت سے ختم نبوت ثابت کر سکتا ہوں۔ انگریز منسٹر نے قرآنی آیت ''الذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون'' (البقرہ) سامنے رکھ دی کہ اس آیت سے ختم نبوت ثابت کریں تو حضرت الشیخ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں اہل ایمان کو دو چیزوں کا پابند فرمایا ہے نمبر ایک یہ کہ جو کچھ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے قبل نازل ہوا ہے اس پر ایمان رکھیں اور نمبر 2 یہ کہ جو کچھ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لائیں اگر حضرت نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی وحی اور کلام الٰہی نازل ہونا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس پر ایمان لانے کا حکم بھی فرماتا مگر ایسا نہیں کیا گیا جو واضح دلیل ہے کہ حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کلام، وحی اور ہدایت نازل نہیں ہوگی۔ کیونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، یہ سن کر وہاں موجود سب لوگوں نے نعرہ تحسین بلند کیا اور بے ساختہ انگریز منسٹر کی زبان سے نکلا well Maulana well اور پھر

مرزائیوں کے مرتد اور غیر مسلم ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اس مقدمہ کی پیروی کے لئے مرزائیوں کا مبلغ اعظم غلام احمد مجاہد اور ظفر اللہ خان کا بھائی اسد اللہ خان پیش ہوئے۔ اور ناکام و نامراد ٹھہرے۔

18، 19 اکتوبر 1944ء کو بمقام ہریا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں جلال الدین شمس قادیانی نے حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب سے مناظرہ کیا حضرت الشیخ الجامع صدر جلسہ تھے اس مناظرہ میں بھی شمس قادیانی لاجواب ہو کر شکست خوردہ ہوا۔

مقدمہ مرزائیت بہاولپور میں شرکت کے لئے مولانا محمد انور شاہ کاشمیری اور دیگر جید ترین علماء بہاولپور میں تشریف لائے جنہوں نے حضرت الشیخ کے مکان پر قیام رکھا جب حضرت الشیخ تشریف لاتے تو تمام علماء کھڑے ہو کر استقبال کرتے۔ حضرت الشیخ نے بصد ادب اس سے منع کیا تو حضرت کاشمیری نے کہا فرمان نبوی ﷺ "قوموا لسیدکم" کے مطابق ہم پر آپ کا کھڑے ہو کر احترام کرنا لازم کرتا ہے۔

حقوق نسواں:

آل انڈیا اسمبلی نے "طلاق بل" منظور کیا جس کو ریاست بہاولپور میں نافذ کرنا چاہا تو حضرت الشیخ الجامع نے اپنی سرکاری حیثیت میں ریاست بہاولپور کے وزیر تعلیم کی فرمائش پر ایک مفصل تحریر انہیں بھجوائی جس میں طلاق بل / ایکٹ تنسیخ نکاح میں شرعی نقائص کی نشاندہی کی اور دین اسلام میں بیان کردہ عورتوں کے حقوق کی توضیح فرمائی۔

علوم ریاضیہ وانجینئرنگ:

صادق ایجرٹن کالج بہاولپور کے پروفیسر محمد شجاع ناموس علوم ریاضیہ میں ڈاکٹریٹ کر رہے تھے۔ اتفاقاً ریل گاڑی میں ان کی ملاقات حضرت الشیخ الجامع سے ہوئی جو ملتان جا رہے تھے، اثنائے سفر گفتگو ہوئی تو پروفیسر صاحب نے بتلایا کہ وہ ڈاکٹریٹ کا مقالہ تیار کر رہے ہیں بعض مقامات پر سمجھنے میں دشواری پیش آ رہی ہے میں لاہور جا رہا ہوں تاکہ وہاں قیام پذیر غیر ملکی ماہرین ریاضیات سے مدد لے سکوں۔ حضرت الشیخ نے فرمایا مجھے بتلائیں کہاں آپ کو دشواری کا سامنا ہے، شجاع صاحب کے پاس ریاضی کی انگریزی میں کتاب تھی۔ مشکل مقامات پر انہوں نے نشانات لگا رکھے تھے وہ ان نشان زدہ مقامات کا اردو ترجمہ پڑھتے رہے اور حضرت الشیخ اس کی توضیح فرماتے رہے۔ ریل گاڑی کے ملتان پہنچنے تک وہ سارے مقامات پروفیسر صاحب کو سمجھ آ گئے۔ ملتان سٹیشن آیا تو پروفیسر صاحب بھی یہ کہہ کر ملتان ہی اتر گئے کہ اب لاہور جانے کی قطعاً ضرورت نہیں اور ریاضی کا کوئی مسئلہ ان کی سمجھ سے باہر ہوتا تو وہ حضرت الشیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے اور ان کی مشکل حل ہو جاتی۔

حضرت الشیخ ربع مجیب اور اصطرلاب و اقلیدس کا سبق پڑھایا کرتے تھے سول انجینئر اللہ بخش عباسی ماہر تعمیرات اس کلاس میں شرکت کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ انجینئرنگ کالج کے مقابلے میں یہاں زیادہ بہتر طور پر انجینئرنگ پڑھائی جاتی ہے۔ وہ کہتے تھے "تعجب کی بات تو یہ ہے کہ آپ کسی آلات و سامان کے بغیر طلبہ کو انجینئرنگ کے مسائل سمجھا دیتے ہیں جبکہ کالجز میں ماہر انجینئر پورے ساز و سامان (لیب) کے باوجود یہ مسائل اس طرح نہیں سمجھا سکتے۔

عربی زبان کی فضیلت:

1931ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں منعقدہ ایک بین الاقوامی سیمینار میں یورپ، مشرق وسطیٰ وغیرہ کے مندوبین کے سامنے انگریزی کے ایک ہندو استاد نے اپنے خطاب کے درمیان انگریزی زبان کو دنیا کی ساری زبانوں سے افضل قرار دیا اور کہا کہ انگریزی میں کسی لفظ کے ساتھ لاحقہ لگا کر معنی میں تبدیلی کر دی جاتی ہے مثلاً Direct سے Indirect بن جاتا ہے اور Fund سے Refund بنا لیا جاتا ہے حضرت الشیخ الجامع بھی بطور مندوب اس سیمینار میں شریک تھے انہوں نے اس کے جواب میں فی البدیہہ تقریر فرمائی اور کہا کہ انگریزی زبان میں اس کے لئے کوئی قاعدہ کلیہ موجود نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ صرف سماعی ہے۔ جہاں جہاں انگریز ایسا کرتے ہیں صرف وہیں ایسا ہوتا ہے مگر عربی زبان میں تو مکمل قواعد موجود ہیں جن کی بنا پر لاحقہ لگا کر معنی میں تبدیلی کی جاتی ہے علم الصرف کی گردانیں ہیں جن کا کوئی فارمولا لے لیں تو سینکڑوں الفاظ ایک فارمولے کے تحت تبدیل ہوتے رہتے ہیں اگر ایک فارمولا سمجھ آ جائے تو آسانی کے ساتھ الفاظ و معانی میں ردوبدل کیا جا سکتا ہے بلکہ عربی زبان کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ محض زیر زبر بدلنے سے الفاظ کے معانی بدل جاتے ہیں لہٰذا دنیا کی کوئی زبان وسعت و فضیلت میں عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ کی یہ تقریر سن کر آپ کو جامعہ پنجاب کے شعبہ عربی کی صدارت پیش کی گئی مگر آپ نے اہل بہاولپور سے کیا ہوا عہد نہ توڑا اور بہاولپور کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا۔

طرز تدریس:

آپ کا طرز تدریس یہ تھا کہ طالب علم سے خود تقریر کراتے تھے اس طرح طالبعلم کو بغور مطالعہ کرنے کی عادت ہوتی تھی اور خود سوچنے اور وضاحت کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا تھا۔ آپ مسئلہ زیر بحث کی پوری عبارت سامنے رکھ کر تسلسل کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ متعلقہ سوالات و جوابات اپنی تقریر میں سمیٹ لیتے تھے۔ قواعد صرف ونحو کی غلطی کو معاف نہیں کرتے تھے اور طالب علم اگر ادھوری عبارت پڑھتا تو بہت ناراض ہوتے تھے۔ اسی طرح آپ کی تقریر کے دوران طلباء کے لئے لازم ہوتا تھا کہ وہ صرف آپ کی طرف نظر رکھیں کتاب کی طرف توجہ نہ کریں۔

ایک مرتبہ سید سلیمان ندوی جامعہ عباسیہ بہاولپور آئے اور حضرت الشیخ الجامع سے گفتگو ہوئی تو تاثراتی کتاب میں لکھا "ہم نے ان جیسا عالم کہیں بھی عالم اسلام میں نہیں دیکھا جو ریاست بہاولپور کو سستے داموں ہاتھ آئے ہیں"

وصال: 7 مارچ 1948ء

22 ربیع الثانی بوقت عصر عیادت کے لئے آئے ہوئے حضرات کو چلے جانے کے لئے کہا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ مفتی محمد عبدالحی چشتی آپ کے پاس تھے۔ نماز عشاء ادا کرنے کے بعد آپ نے وصال فرمایا اگلے دن پوری ریاست میں سرکاری طور پر تعطیل عام کا اعلان ہوا۔ آپ کی نماز جنازہ عیدگاہ میں ادا کی گئی جس میں ہر مکتب فکر اور ہر طبقہ کے لوگوں نے شرکت کی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

☆☆☆

الشیخ الجامع

حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی

بانی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور

علامہ بی اے حق محمد چشتی مشیر وفاقی شرعی عدالت

پھول ہیں صحرا میں
یا پریاں قطار اندر قطار

سعید بدر

برادر ہمسایہ ملک ایران کے دارالحکومت تہران کے حوالے سے خبر آئی ہے کہ وہاں کی ایک عدالت نے "ایک شوہر کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک لاکھ چوبیس ہزار پھول پیش کرے۔" تفصیلات کے مطابق "ایرانی بیوی نے اپنے شوہر نامدار کے خلاف مقدمہ میں دعویٰ کیا تھا کہ اس کے خاوند نے آج تک اسے کبھی کسی قسم کا تحفہ نہیں دیا اور وہ (خاوند) اس قدر کنجوس اور بخیل ہے کہ اگر کبھی کسی کیفے پر جانے کا اتفاق ہو جائے تو وہ چائے یا کافی تک کے پیسے ادا نہیں کرتا بلکہ یہ پیسے اسے (بیوی) کو ہی ادا کرنا پڑتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس (خاوند) کی کنجوسی کا یہ عالم ہے کہ اس نے آج تک اسے کبھی ایک پھول کا تحفہ بھی نہیں دیا۔" یہ مقدمہ بڑا دلچسپ تھا اور حیران کن بھی، عدالت نے شاہین نامی خاوند کو سزا کے طور پر حکم جاری کیا کہ "وہ اپنی بیوی کو ایک لاکھ چوبیس ہزار گلاب کے پھولوں کا تحفہ پیش کرے۔" حسن اتفاق سے کنجوس ایرانی مسٹر شاہین کی بیوی حسن و جمال کی دولت سے مالا مال تھی اور اس کا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح چمک اور دمک رہا تھا۔ لیکن خاوند کو اس کی قدر نہ تھی۔ شاہین نے عدالت کو درخواست کی کہ وہ اپنی بیوی کو صرف پانچ پھول روزانہ دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس سے زیادہ بہت مشکل ہے۔

یہ خبر اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت دلچسپ ہے لیکن اس دلچسپ خبر سے "پھولوں" کی اہمیت و افادیت ضرور واضح ہو جاتی ہے۔ پھول ہر دور اور ہر زمانے میں یکساں طور پر مقبول اور پسندیدہ رہے ہیں۔ بادشاہ ہو یا گداگر، امیر ہو یا فقیر، بچہ ہو یا بوڑھا، مرد ہو یا زن، گورا ہو یا کالا، کوئی خوب صورت ہو یا بدصورت ہر کوئی پھولوں کو پسند کرتا ہے۔ ان کی خوشبو سے مسحور ہوتا ہے اور انہیں حاصل کرنے کی سعی و کوشش بھی ضرور کرتا نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک کمسن بچہ جو چل پھر نہیں سکتا، وہ پھولوں کو پسند کرتا ہے۔ اگر کسی بچے کے سامنے کوئی بھی پھول لایا جائے تو وہ بے اختیار اس پھول کو پانے کے لئے اپنے انداز میں لڑھکنے لگتا ہے لڑھک لڑھک کر اگر وہ یہ پھول پکڑنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ اس کامیابی پر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتا ہے گویا اس نے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے لیا ہے، بہت بڑی دولت حاصل کر لی ہے یا پھر کوئی بہت بڑی لاٹری جیت لی ہے۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ ہر ملت اور ہر قوم کے افراد نے پھولوں کو دل و جان سے پسند کیا اور ان کی قدر کی ہے۔ ان باذوق لوگوں نے اپنے باغات میں پھلدار درختوں کے ساتھ ساتھ خوب صورت پھولوں کے پودے بھی لگائے، بلکہ اکثر شائقین رنگا رنگ قسم کے پھولوں کی تلاش و جستجو میں لگے رہتے ہیں اور انہیں حاصل کر کے اپنے باغات یا لانوں کی زینت بناتے ہیں۔ یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ سابق گورنر پنجاب جنرل غلام جیلانی نے ریس کورس باغ کے لئے غیر ممالک سے پودے اور پھول منگوائے تھے۔

ہر زبان کے شاعروں نے پھولوں کی تعریف و توصیف میں شاندار نظمیں لکھی ہیں اور ادیبوں نے مضامین تحریر کئے اور پھولوں کو فطرت کی حسین ترین کشش اور انمول شے قرار دیا ہے۔ ہمارے مفکر اسلام حکیم الامت علامہ اقبال نے بھی پھولوں کی تعریف و توصیف میں متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے، اودے، نیلے، نیلے، پیلے، پیلے پیرہن

اس شعر میں نہایت خوبی اور عمدگی کے ساتھ صحرا میں اگے ہوئے رنگا رنگ پھولوں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ممتاز نقاد اور دانشور صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے علامہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اگر علامہ صرف یہی شعر کہہ دیتے تو ان کی عظمت کے لئے یہی ایک شعر کافی تھا۔ مزید اشعار کہنے یا کلام کی ضرورت نہ تھی۔" بہر حال یہ ان کی رائے ہے۔ بہر کیف ان کے اس شعر میں پھولوں کا نہایت خوبصورتی کے ساتھ منظر نامہ پیش کیا گیا ہے۔

ایران ہی میں ایک شاعر شیخ مصلح الدین شیرازی ہوئے ہیں۔ جن کی کتابیں "گلستان" اور "بوستان" کسی زمانے میں ہمارے تعلیمی نصاب میں شامل تھیں، ان کتابوں میں "اخلاقیات" کو نہایت دلچسپی اور سبق آموز کہانیوں اور شعروں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ شیخ سعدی کو "معلم اخلاق" کے طور پر بھی پیش کیا جاتا ہے۔

شیخ سعدی شیرازی نے انسانی زندگی میں "صحبت" کے زبردست اثرات کے ضمن میں ایک جگہ دلچسپ کہانی اشعار کی زبان میں پیش کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید است از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری؟

کہ از بوئے دل آویزے تو مستم
بگفتا من گلے نا چیز بودم
و لیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ: ایک حمام کے اندر ایک دن ایک محبوب دوست نے مجھے تھوڑی سی خوشبودار مٹی دی جس سے بے پناہ خوشبو آرہی تھی جس سے میں مسحور ہوگیا میں نے خوشبو سے متاثر ہو کر اس مٹی سے پوچھا کہ تو مشک ہے یا عنبر؟ کہ میں تیری دل آویز خوشبو سے مست اور مسحور ہوگیا ہوں اس پر اس مٹی نے جواب دیا کہ میں۔۔۔

''دراصل کچھ مدت تک ایک باغ میں پھولوں کی ہم نشیں رہی ہوں، اس لئے ہم نشیں پھولوں کی خوشبو اور جمال و حسن مجھ پر اثر انداز ہوئے ہیں اور مجھ سے بھی خوشبو آنے لگی، ورنہ میں وہی عام مٹی ہوں جو کہ میں ہوں۔''

شیخ سعدی نے یہ مثال یہ بات سمجھانے اور ذہن نشیں کرنے کے لئے پیش کی ہے کہ انسان ہی پر موقوف نہیں بلکہ کائنات کی ہر شے ''صحبت'' سے اثر پذیر ہوتی ہے اور جو چیز ''پھولوں'' کے جوار میں رہے گی وہ بھی خوشبودار ہو جائے گی۔'' یہی وجہ ہے کہ بری صحبت میں بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔ آج کل نئی نسل اس امر کی پرواہ نہیں کرتی اور دوست کا انتخاب کرتے ہوئے اچھے، برے کی تمیز نہیں کرتی جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعد میں انجام بد سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔

پھولوں سے محبت اور دلچسپی کے سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آیا جو راقم کو میاں بشیر احمد نے سنایا تھا۔ میاں بشیر احمد ممتاز ادیب، دانشور، شاعر اور نامور صحافی تھے، وہ 35 سال تک لاہور سے ''ہمایوں'' نام سے ماہوار جریدہ شائع کرتے رہے جس کو پورے ہندوستان میں پڑھا اور پسند کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ نواب بہادر یار جنگ نے ایک بار اس بات کا اعتراف کیا کہ انہوں نے اردو زبان ''ہمایوں'' سے سیکھی۔ مزید براں میاں صاحب بانی پاکستان قائداعظم کے معتمد ساتھی اور رفیق تھے۔ وہ 1940ء سے 1947ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ممبر رہے اور قیام پاکستان کے بعد لیاقت علی خان نے انہیں ترکیہ میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا۔

انہی میاں صاحب نے ایک بار باتوں باتوں میں بتایا کہ ایک بار انہوں نے ترکیہ میں قیام کے دوران میں یورپ کی سیر کا فیصلہ کیا کہ استنبول سے پیرس تک ریل کے ذریعے سفر کیا جائے اور اس طرح گردوپیش کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہونا آسان ہوگا۔ اس سفر کے دوران جب ٹرین سوئٹزرلینڈ کے ایک جنگل میں پہنچی تو وہاں اس میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی۔ خرابی کی وجہ سے میاں صاحب سمیت دیگر تمام مسافروں کو دو تین گھنٹے انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔ اسی اثناء میں میاں صاحب نے دیکھا کہ جنگل میں ہر طرف رنگا رنگ پھول ہی پھول اگے ہوئے ہیں جو دلکش بہار دے رہے ہیں۔ وقت گزارنے کے لئے میاں صاحب ٹرین سے نیچے اتر آئے۔ جا بجا خوب صورت پھولوں کو دیکھ کر مسحور ہو گئے اور رہ نہ سکے، انہوں نے وہاں سے کچھ پھول توڑے اور ان کا گلدستہ بنا لیا۔ پھر خیال آیا کہ ٹرین میں سوار سیٹ فیلو کے لئے بھی کچھ پھول توڑ لوں تا کہ اسے بطور تحفہ پیش کر سکوں۔ میاں صاحب خوشی خوشی یہ پھولوں کے ننھے گلدستے لے کر ٹرین میں داخل ہوئے اور ایک گلدستہ سیٹ فیلو کو پیش کیا۔ اس نے تو ''No Thank You'' کہہ کر پھول واپس کر دیئے۔ میاں صاحب اس صورتحال سے پریشان ہوئے اور سوچا کہ یہ شخص کس قدر کور ذوق اور بد ذوق ہے؟ جس نے حسین ترین پھول لینا پسند نہیں کئے اور واپس لوٹا دیئے۔ میاں صاحب نے مجبور ہو کر اس شخص سے اس کے رویہ کی وجہ پوچھی کہ ''کیا آپ کو پھول پسند نہیں؟ تو اس شخص نے جواب دیا'' کیوں نہیں؟ مجھے پھول تو بہت پسند ہیں لیکن میں پھول توڑنا یا انہیں شاخوں سے جدا کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں بائی نیشنلٹی سوس (Swiss) ہوں اور ہم سوس لوگ پھول نہیں توڑتے، دور سے دیکھ کر ہی خوش ہو لیتے ہیں۔ آپ کی طرح اگر ہم بے دردی سے پھول توڑنے لگیں تو پھر آپ کو یہاں ایک بھی پھول نظر نہ آئے اور جنگل واقعی خوفناک جنگل کا نمونہ پیش کرے۔ آپ کے پھول توڑنے پر میں سخت رنجیدہ ہوا ہوں لیکن آپ کو صرف اس لئے نظر انداز کیا کہ آپ ہمارے ملک میں مہمان ہیں اور شاید غیر ملکی بھی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کو پھولوں کے بارے میں ہمارے رسم ورواج اور اصولوں کا علم نہیں ورنہ میں آپ کو پھول توڑنے سے سختی سے روک دیتا۔

میاں صاحب نے بتایا کہ یہ سن کر میں سخت شرمندہ ہوا اور اس سوس سے معذرت کی۔ اور یہ جان کر مجھے حیرانی ہوئی کہ ہمارے برعکس دنیا میں پھولوں کے ایسے گرویدہ اور قدر دان لوگ بھی موجود ہیں جو پھول توڑ کر ان کی توہین نہیں کرتے۔

اس امر میں واقعی کوئی شک نہیں، ہم پھول توڑنے میں بیدردی اور سنگدلی سے کام لیتے ہیں اور انہیں کثیر مقدار اور تعداد میں ضائع بھی کرتے ہیں۔ ہمارا روزانہ کا معمول ہے کہ ہر روز ہزاروں اور لاکھوں پھول توڑ کر ضائع کر دیتے ہیں۔ ہم پھولوں کے ہار بنا کر خود بھی پہنتے اور دوسروں کو بھی پہناتے ہیں جو تھوڑی دیر کا کھیل اور مشغلہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ خوب صورت پھول ضائع ہوتے ہیں اور بالعموم پھینک دیئے جاتے ہیں، جس کے بعد یہی پھول پاؤں تلے مسلے اور کچلے جاتے ہیں۔ شادی، بیاہ اور تہواروں پر بالعموم پھولوں کا بے دریغ استعمال ہوتا ہے۔ سیاسی تقریبات میں بھی ان گنت پھول برسائے جاتے ہیں اور ان کے ہار اعلیٰ شخصیات کو پیش کیے جاتے ہیں۔ مزید براں قابل احترام بزرگوں کے مزاروں پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ یہ پھول دو تین دن بعد مرجھا جاتے ہیں اور پھر پھینک دے جاتے ہیں۔ ان کی جگہ پھولوں کی اور چادریں آجاتی ہیں اس طرح منوں اور ٹنوں کے حساب سے خوبصورت پھول ضائع کئے جاتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اس فعل پر ہم رنجیدہ ہوتے ہیں اور نہ ملول۔ نہ ہمیں افسوس ہوتا ہے اور نہ 'احساس زیاں'۔ ایک بار ایک جاپانی سٹوڈنٹ سے ملاقات ہوئی۔ وہ سیر و سیاحت کے لئے پاکستان آیا تھا اور حسن اتفاق سے یہاں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔ راقم کے پاس چھ ماہ قیام پذیر رہا۔ ہم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔

ماہ اپریل میں ایک دن ہم شاد باغ سے پیدل چلتے چلتے دریائے راوی کے کنارے پہنچ گئے۔ طویل سفر کی وجہ سے بہت تھک گئے اور دھوپ نے بہت ستایا تو ایک توت کے درخت تلے سائے میں ستانے کے لئے ٹھہر گئے۔ یہ درخت توت کے پھل سے لدا ہوا تھا۔ زمین پر بھی گرے ہوئے ان گنت توتوں کے پھل کی تہہ بچھی ہوئی تھی جس میں تنکے، پتے اور روڑے وغیرہ بھی شامل تھے۔ نومسلم عبداللہ زمین سے چن چن کر وہ توت کھانے لگا۔ میں نے اسے منع کیا اور کہا کہ شاخ کو نیچے جھکا کر بے شک تازہ توت توڑ لو اور کھا لو، لیکن زمین سے نہ کھاؤ اس نے اگرچہ میری بات مان لی تاہم وہ یہ تبصرہ کئے بغیر نہ رہ سکا کہ " آپ احمق لوگ ہیں، اتنا پھل لاپروائی سے ضائع کر دیتے ہیں۔ اگر طریقے اور سلیقے سے کام لیں تو یہی پھل ہمارے ملک میں برآمد کر سکتے ہیں۔ ہم آپ کو اس کے بدلے ڈالر دیں گے۔" میرے لئے ایک نئی اور انوکھی بات تھی۔

وہاں سے چلے تو آگے گلاب کے پھولوں کے وسیع و عریض کھیت پھیلے ہوئے تھے، جہاں گلاب کے پھول عجب بہار دے رہے تھے۔ ہر طرف بڑا دلکش سماں تھا۔ پھول دیکھ کر وہ اس قدر مسحور ہوا کہ وہ کافی دیر تک چپ چاپ کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ لیکن اس نے کوئی پھول توڑنے کی کوشش نہ کی۔ میں نے دو ایک پھول توڑ کر اسے پیش کیے تو اس نے تھینک یو کہہ کر پھول قبول کر لئے۔ ایک کالر پر لگا لیا اس نے مجھ سے استفسار کیا کہ " یہ بے شمار پھول آپ لوگ کس مصرف میں لاتے ہیں؟ میں نے بتایا کہ کھیت کا مالک، کسان یا مالی ہر صبح سویرے یہ پھول توڑ کر منڈی میں جا کر بیچ دے گا۔ سارے شہر میں دکانیں موجود ہیں جہاں یہ پھول ہار بن کر بکیں گے اور یہ ہار شادی، بیاہ اور پھر دیگر سماجی و سیاسی تقریبات میں استعمال ہوں گے۔

پھولوں کی چادروں کی صورت میں عقیدت مندی کے ساتھ مزاروں اور قبروں پر بھی چڑھائے جائیں گے جو ایک دن مرجھانے پر یقیناً ضائع ہی ہوں گے اور پھر بیکار سمجھ کر پھینک دیے جائیں گے۔

اس نومسلم جاپانی نے میری کہانی سن کر تاسف کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ باہر سے مشینیں درآمد کر کے ان پھولوں سے پرفیوم کیوں تیار نہیں کرتے اور یہ پرفیوم باہر بھیج کر زرمبادلہ کمائیں، ہمیں جاپان بھیجیں، ہم آپ کو ڈالرز دیں گے۔ اس پر اس نے پھر کہا کہ آپ سچ مچ نادان اور احمق قوم ہیں۔ قیمتی چیزوں کا ضیاع شاید آپ کی عادت ثانیہ بن چکا ہے یا پھر آپ کو اس امر کا احساس ہی نہیں کہ آپ بہت بڑا قومی نقصان کر رہے ہیں۔"

دنیا بھر میں گلاب کا پھول، پھولوں کا بادشاہ کہلاتا ہے اور بہت پسند کیا جاتا ہے۔ کسی پنجابی شاعر نے کہا ہے

سوہنے پھلاں وچوں پھل گلاب نی سیئو

سوہنے دیساں وچوں دیس پنجاب نی سیئو

جنرل محمد ایوب خاں نے 65-1964 میں عام انتخابات کرائے تو گلاب کا پھول اسے بطور نشان ملا جبکہ اس کے برعکس مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کو لالٹین کا نشان الاٹ ہوا۔ عوام کو ایوب خاں سے جنرل مشرف کی طرح بے حد نفرت تھی اور مادر ملت سے بے پناہ محبت۔ اس لئے اس دور میں ہی گلاب کا پھول عوام کی نفرت کا نشان بن گیا۔ لوگوں نے تقریبات میں پھولوں کے ہار پہننا اور پہنانا بند کر دیئے بلکہ اپنے اپنے کوٹ کے کالرز میں آویزاں کرنا بھی ترک کر دیا۔ 68-1967 میں جنرل ایوب خاں کے خلاف انقلابی تحریک چلی تو اس میں ایئر مارشل (ر) محمد اصغر خاں نے سرگرم اور فعال کردار ادا کیا۔ انہوں نے لاہور، کراچی، راولپنڈی، فیصل آباد اور ملتان جیسے بڑے بڑے شہروں

میں بڑے بڑے جلسوں اور جلوسوں کی قیادت کی جس سے جنرل ایوب خاں کی حکومت ڈولنے لگی۔ راقم کو کچھ دن ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، ایک روز فیصل آباد میں مسلم لیگی راہنما سرفراز کی رہائش گاہ پر مقیم تھے کہ صبح سویرے راقم نے لان سے ایک دو گلاب کے پھول توڑ لئے۔ ان میں سے ایک کلی نما پھول کو ایئر مارشل کے کوٹ کے کالر میں لگا دیا جب انہوں نے وہ کوٹ پہننے کے لئے اٹھایا تو انہوں نے پھول کی وہ کلی اتار کر میز پر رکھ دی۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا آپ کو پھول پسند نہیں؟ وہ کہنے لگے پھول تو بہت پسند ہیں بلکہ کسی زمانے میں گلاب تو میرا پسندیدہ پھول ہوا کرتا تھا لیکن جب سے ایوب خان کا نشان ٹھہرا، مجھے اس سے نفرت سی ہو گئی ہے، اس لئے اب اسے استعمال نہیں کرتا۔ ویسے دلچسپ امر ہے کہ جنرل ایوب خاں کوئی معرکہ سر کئے اور کوئی جنگ جیتے بغیر ہی فیلڈ مارشل بن گئے، شاید انہوں نے اپنا ہی ''پاکستان'' فتح کر لیا تھا۔

دیکھئے! حالات کی ستم ظریفی ہے کہ وہ پھول جسے ہر انسان بے حد پسند کرتا ہے، وہی پھول کسی خاص واقعہ یا شخصیت سے منسوب ہونے کی وجہ سے وجہ نفرت بھی قرار پاتا ہے بلکہ سچ پوچھیں تو خود راقم کا بھی یہی حال ہے کہ یہ پھول اس قدر پسند نہیں جس قدر 1965ء سے قبل پسند تھا۔ اس کے مقابلہ میں ''لالٹین'' اب تک پسند ہے اور اسے دیکھ کر ایک فرحت اور تازگی کا احساس ہوتا ہے۔

پاکستان میں پھولوں کی کمی نہیں، باغ ہوں یا راغ، میدان ہوں یا جنگل ہر جگہ اور جا بجا رنگا رنگ پھول لہلہاتے ہوئے ملیں گے۔ 1968ء میں راقم پاکستان کی حسین و جمیل وادی سوات میں سیر کے لئے گیا۔ ممتاز سیاست دان جسٹس پارٹی کے سیکرٹری جنرل میاں منظر بشیر اور میاں خورشید محمود قصوری کے والد ممتاز قانون دان میاں محمود علی قصوری کی رفاقت کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ ان کے صاحبزادے خورشید محمود قصوری ان کے بھائی عمر قصوری کے علاوہ دانیال قصوری بھی ساتھ تھے حتیٰ کہ ان کی والدہ یعنی میاں محمود علی قصوری کی بیگم صاحبہ جو نواب آف لوہارو کی صاحبزادی تھیں، وہ بھی ہمراہ تھیں۔ خورشید محمود قصوری اس وقت تازہ دم بار ایٹ لا کر کے لندن سے واپس لوٹے تھے۔ ایک دن ہم کالام سے جھیل ماہوڈنڈھ گئے جو وادی سوات کی نیلے رنگ کی خوب صورت جھیل ہے۔ سواتی زبان میں ڈنڈھ، جھیل کو کہتے ہیں اور جھیل سے واپسی پر ایک جگہ تھوڑی دیر کے لئے رکنا پڑا، چشمے سے ٹھنڈا پانی وغیرہ پیا، وہاں پر ارد گرد کھلے ہوئے خوب صورت پھول دیکھ کر میاں محمود علی قصوری جیسا انسان ان کے حسن میں کھو کر رہ گیا۔ وہ رنگ رنگ کے پھول دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ ایک ایک کر کے انہیں توڑنے لگے۔ پھول توڑ کر واپس آئے تو فرمانے لگے کہ میں مشکل سے صرف 35 پھول ہی توڑ سکا ہوں۔ حیران کن بات ہے کہ ہر پھول رنگ، ڈھنگ، شکل، صورت اور خوشبو میں ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہے۔ میرے خیال میں یہاں ایسے سینکڑوں پھول اور بھی ہیں جو میں نہیں توڑ سکا۔ پورے سوات میں لاکھوں قسم کے پھول ہوں گے۔

یہ تبصرہ سن کر کائنات کے اس حسن و جمال پر ہم بھی حیران و ششدر رہ گئے۔ میاں صاحب نے مزید کہا کہ:

''کاش! ہماری یونیورسٹیاں اس جانب توجہ دیں، ان پھولوں اور جنگلی نباتات پر تحقیق کریں
تو دنیا کو پتہ چلے کہ ہمارا سوات سوئٹزر لینڈ سے کسی طرح کم نہیں۔''

افسوس! کہ میاں محمود علی قصوری کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی حالانکہ بھٹو دور میں وہ وزیر قانون بھی بنائے گئے لیکن ڈکٹیٹر عوامی ہوں یا فوجی، ان کے سامنے ان کے وزراء بے بس ہوتے ہیں، کچھ کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ آج کل ہم سوات کو مزید دلکش اور حسین و جمیل بنانے کی بجائے، وہاں بموں اور توپوں سے گولہ و بارود کی بارش کر کے نہ صرف حسین وادی کو تباہ و برباد کر رہے ہیں بلکہ دہشت گردی کے انسداد کے نام پر وہاں کے غیور باشندوں کا قتل عام بھی کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے یہ سب کچھ امریکہ کو خوش کرنے اور اپنے ذاتی اقتدار کی بقا کے لئے کیا جا رہا ہے۔ پھولوں جیسی وادی کو کھنڈر بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس ملک کی بقاء کا کسی کو خیال ہے اور نہ کسی کو قوم ہی کا مستقبل عزیز ہے۔ ذہنوں پر بس یہی خناس یا بھوت سوار ہے کہ ''ہم حکمران رہیں اور ہمارا ہی حکم چلتا رہے، کسی کو سرتابی کی مجال نہیں، کسی کو اپنے حقوق مانگنے کا حق نہیں، ''ہم چو ما دیگرے نیست'' حالانکہ اب تو پاکستان کا بچہ بچہ جانتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف یہ جنگ ہماری نہیں۔ یہ امریکہ کی جنگ ہے۔ آٹھ سال لڑنے کے باوجود، جنگجو یا دہشت گرد ختم ہونے کی بجائے بڑھتے ہی جا رہے ہیں، آخر کیوں؟ کبھی کسی نے سوچنے کی زحمت گوارا کی ہے؟

بات خوب صورت پھولوں کی ہو رہی تھی۔ پھول اپنی نزاکت طبع اور حسن و جمال کے باوجود بعض اوقات طاقتور ہتھیار بھی بن جاتے ہیں۔ تاریخ میں حسین بن منصور حلاج نام کے صوفی بزرگ گزرے ہوئے ہیں، جنہوں نے عالم جذب و مستی میں ''انا الحق'' کا نعرۂ مستانہ لگا دیا جس پر اہل شریعت سرگرم ہو گئے اور حسب معمول ان کے قتل کا فتویٰ جاری ہو گیا۔ اس دور کے بہت بڑے عالم اور بزرگ منصور زیر عتاب

آ گئے۔ ایک دن لوگ شاہی حکم پر انہیں نفرت سے پتھر مار رہے تھے لیکن وہ ان پتھروں کو چپ چاپ سہہ رہے تھے۔ اتنے میں منصور حلاج کے دلی دوست و رفیق و دمساز مولانا شبلی وہاں سے گذرے۔ بادشاہ کے حکم کے تحت انہوں نے بھی محض رسمی کارروائی کے طور پر پتھر کی بجائے حلاج کو ایک "پھول" دے مارا۔ حلاج نے یہ منظر دیکھا تو وہ رونے اور چیخنے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے پتھروں کو برداشت کیا اور اُف تک نہ کی اور روئے تک نہیں۔ بلبلائے نہیں لیکن ایک پھول کو برداشت نہ کر سکے اور بچوں کی طرح رو دیئے۔ آخر کیوں؟ منصور نے جواب دیا لوگ تو نادان ہیں۔ میرے مقام و مرتبہ اور "حال" کے بارے میں کچھ نہیں جانتے لیکن یہ شخص میرا دمساز اور ہمراز ہے۔ یہ سب کچھ جانتا ہے، اسے پتہ ہے کہ میں "بے قصور" ہوں جو کہتا ہوں سچ کہتا ہوں، اس لئے اس کا مارا ہوا "پھول" بھی مجھے پتھر بن کر لگا جس پر میں بے اختیار رو پڑا۔ محرم حال اور محرم راز کا پھول مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ سید علی ہجویری اور علامہ اقبال نے حلاج کی تعریف کی ہے۔

بہر حال پھول حسن فطرت کا مظہر ہے جسے ہر انسان پسند کرتا ہے۔ راقم کے گھر کے سامنے چھوٹا سا پارک ہے جہاں گلاب اور موتیا کے پھول کھلتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ صبح سویرے بوڑھی عورتیں تسبیح ہاتھ میں لئے پھول نوچ رہی ہوتی ہیں۔ ایک دو چار پھول نہیں بلکہ وہ کوشش کرتی ہیں کہ پتوں سمیت ہی سبھی پھول اور کلیاں نوچ نوچ کر گھر لے جائیں۔ یہی حال مردوں کا ہے۔ اچھے سنجیدہ بزرگ حضرات نماز پڑھ کر آتے ہیں اور پھول توڑنے لگ جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہمارا جی کڑھتا ہے، اکثر منع کرنے پر لوگوں سے طرح طرح کی باتیں بھی سننی پڑتی ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ ہر جگہ پھول کھلیں، وہ خوشبو پھیلائیں اور وطن عزیز کی فضاؤں کو معطر اور عطر بار کریں لیکن ہمارے لوگ پھول دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ غالباً اندھے اور پاگل ہو جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ فوراً پھول توڑ کر اپنے دامن میں سمیٹ لیں یا سجا لیں یا پھر اپنے گھر لے جائیں۔ ہمارے ایک سنجیدہ قسم کے پڑوسی تھے پیشہ کے لحاظ سے زرگر تھے۔ اب فوت ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ وہ نماز تو نہیں پڑھتے تھے لیکن صبح سویرے اٹھتے اور پھولوں کا صفایا ضرور کرتے۔ راقم کبھی کبھار انہیں منع کرتا، ایک روز سحری کے وقت پھولوں کی کیاری میں شعلہ نما جیسی کوئی شے چمکتی دکھائی دی۔ ہم حیران ہوئے یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ فوراً ہی وہ روشنی ختم ہو گئی۔ جب تک ہم کھڑے رہے، وہ روشنی دوبارہ نہ چمکی، ہم تھوڑا سا اوٹ میں ہو گئے تو وہ زرگر صاحب اپنی بزرگی اور عمر رسیدگی کے باوجود دوبارہ سگریٹ پینے لگے جس سے روشنی چمکی اور ہم نے دیکھا کہ وہ ساتھ ہی ساتھ پھولوں کا صفایا بھی کر رہے تھے۔ ویسے ہم بھی کبھی کبھی عادت سے مجبور ہو کر پھولوں پر ہاتھ صاف کر لیتے ہیں، آپ سے بھلا کیا چھپانا؟

انگریزی ادب میں ورڈس ورتھ (wordsworth) شاعر فطرت کہلاتا ہے اس نے بھی Deffo Dills کے نام سے عمدہ نظم لکھی ہے۔ جس میں پھولوں کو مشق سخن بنایا ہے۔

"ڈیفوڈلز" انگریزی پھولوں کا نام ہے جو بڑے خوب صورت اور دلربا ہوتے ہیں، انگریز ان پر مرمٹتے ہیں۔ اسی طرح ہالینڈ اور ترکی میں نام کے پھول کثیر تعداد میں اگتے اور اگائے جاتے ہیں، یہ پھول خوب صورتی میں بلند مقام رکھتے ہیں اور دوسرے ممالک کو برآمد کئے جاتے ہیں۔

پھول ہی کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ "پھول کو کوئی پگڑی میں رکھ لیتا ہے کوئی گلے میں سجا لیتا ہے لیکن یہ تو پھول کی توہین ہے۔ کیا اس میں "خودداری" نام کی کوئی چیز موجود نہیں؟ فرماتے ہیں:

نہیں یہ شان خودداری چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے، کوئی زیب گلو کر لے

خودی اور "خودداری" علامہ اقبال کا مخصوص فلسفہ حیات ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی فرماتے ہیں:

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

یعنی اگر انسان نے دنیا میں عزت و آبرو سے رہنا ہے تو پھر اسے پھول کی زندگی سے سبق حاصل کرنا ہوگا اور کامیابی کے حصول کے لئے کانٹوں سے الجھنے والی زندگی بسر کرنا ہوگی۔ یعنی مصائب و آلام کی بھٹی سے گزرنا ہوگا۔ پھول آزادی و خودداری کا سبق بھی دیتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے۔ پابہ گل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

یعنی پھول کا کمال زندگی یہی ہے کہ کوئی آئینہ رو، کوئی صاحب حسن وجمال اسے توڑ کر اپنے دامن کی زینت بنالے اور یہی پھول کا مقصد حیات ہے۔ وہ محض ''ڈیکوریشن پیس'' ہے اس کی زندگی عارضی اور ناپائیدار ہے۔ ایک صوفی بزرگ بوعلی قلندر نے دوستوں کی بیوفائی کے اظہار کے لئے کیسی عمدگی سے فرمایا ہے:

یاران این زمانہ ہم چوگل انار اند
در رنگ آشنائی بوئے وفا نہ دارند

ترجمہ: یعنی اس زمانے کے دوستوں کی مثال انار کے پھولوں کی مانند ہے جو دوستی میں انار کے پھول کی طرح خوبصورت ہوتے ہیں لیکن ان کی دوستی اور محبت میں خلوص اور وفا کی خوشبو نہیں ہوتی۔''

آخر میں چند ایسے اشعار پیش خدمت ہیں جو دلچسپ بھی ہیں اور بعض واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں یا ان کی تصویر پیش کرتے ہیں ان اشعار کی خوبی یہ ہے کہ یہ ''پھولوں'' کے حوالے سے ہیں مثلاً کسی شاعر نے بہت عمدہ شعر میں کہا ہے:

پھول کی ہر پنکھڑی پر نام کندہ کس کا ہے
کس کے اجلے نام نے رنگ اس کا اجلا کر دیا

یہ شعر مجازی اور حقیقی دونوں معانی میں استعمال کیا جاسکتا ہے اگر نام سے مراد اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو معانی واضح ہیں اور اگر نام سے مراد رسالت مآب ﷺ کا اسم گرامی مراد لیا جائے تو یہ نعت کا بہترین شعر قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح عشق مجازی کے طور پر مجازی محبوب کی طرف منسوب کیا جائے تو بھی بات بن جاتی ہے۔ بہرحال یہ بات اپنی اپنی فکر اور سوچ پر منحصر ہے کہ کوئی انسان اس سے کیا مراد لیتا ہے؟ بقول شاعر:

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

معروف سیاسی رہنما نوابزادہ نصر اللہ خاں کا ایک شعر ہے جو حالات حاضرہ پر صادق آتا ہے۔ یاد رہے کہ نوابزادہ نصر اللہ خاں نہ صرف عمدہ شعری ذوق کے حامل تھے بلکہ بہت بڑے شاعر بھی تھے۔ کاش نوابزادہ مضور ان کا کلام شائع کرا دیتے، کہتے ہیں:

بہہ رہا ہے صحن گلشن میں ''جواں پھولوں'' کا خون
''باغباں'' کو شرم سے اب ڈوب مرنا چاہیئے

قوم کے جواں پھولوں اور کلیوں کا خون اسلام آباد کی جامع حفصہ اور لال مسجد میں بھی بہایا گیا۔ شمالی وزیرستان اور جنوبی وزیرستان میں بہتا رہا بلکہ اب تک بہہ رہا ہے۔ سوات کی حسین وجمیل وادی کے مرغزاروں کو خاک وخون میں نہلا دیا گیا۔ بلکہ 9/11 کے بعد ''یوٹرن'' کی پالیسی کے بعد حکمران وقت نے افغانستان کو ایک بار پھر آتش وآہن کے سپرد کر دیا اور یہ سلسلہ اب تک جاری وساری ہے۔ خدا جانے! یہ سلسلہ کب ختم ہوگا؟ ہمارے مسلمان حکمرانوں کو کب غیرت آئے گی۔

اب آخری شعر سن لیجئے! یہ بھی موجودہ حکمرانوں کی عمدہ تصویر کشی ہے جنہوں نے ججز کی بحالی کے سیدھے سادے مسئلہ کو پیچیدہ ترین اور گورکھ دھندا بنا کر رکھ دیا ہے اور جو ''لانگ مارچ'' کے باوجود حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ کیونکہ ''بے شعورے'' حکمران اسے حل کرنا ہی نہیں چاہتے۔ شعر یوں ہے:

گل گئے، گلشن گئے، جنگلی دھتورے رہ گئے
چل بسے عاقل جہاں سے، بے شعورے رہ گئے

☆☆☆

حضرت ابوبکر صدیق ﷜ سے منقول ہے کہ فرمایا انہوں نے اندھیریاں پانچ ہیں اور چراغ بھی ان کے لئے پانچ ہیں محبت دنیا کی اندھیری ہے اور چراغ اس کا تقویٰ ہے اور گناہ اندھیری ہے اور چراغ اس کا توبہ ہے اور قبر اندھیری ہے اور چراغ اس کا لا الـه الا اللـه محـمـد رسول الله ہے اور آخرت اندھیری ہے اور چراغ اس کے لئے عمل صالح ہے اور پل صراط اندھیری ہے اور چراغ اس کا یقین ہے پس بھائیو! اس دنیائے فانی کی لذتوں میں گرفتار ہو کر آخرت باقیہ کی نعمتیں برباد نہ کرو کہ یہاں کی سب چیزیں اور لذتیں فنا ہونے والی ہیں اور وہاں کی نعمتیں باقی۔ پاک پروردگار فرماتا ہے مـا عند کم ینفذ وما عند الله باق یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے فانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے باقی ہے اب بعد اس تمہید کے سننا چاہئے کہ بعض لوگ جو زنا کاری اور اغلام بازی وغیرہ افعال بد میں گرفتار ہیں کچھ برائیاں ان کی جو قرآن و حدیث میں آئی ہیں لکھی جاتی ہیں تاکہ اس حرکت بد سے مرد و عورت باز آئیں فرماتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ ولا تـقـربو ا لزنا انه کان فاحشة وساء سبیلا "یعنی پاس بھی نہ پھٹکو زنا کے کہ بلاشبہ وہ ہے بے حیائی اور بُری راہ" اور فرمایا انـمـا حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشر کو بالله مالم ینزل به سلطانا وان تقولو علے الله مالا تعلمون "یعنی تو کہہ میرے رب نے منع کیا ہے بے حیائی کے کاموں سے یعنی کبائر سے مانند زنا کے جو کھلے ہیں ان میں اور جو چھپے اور مطلق گناہوں سے اور زیادتی ناحق سے اور اس سے کہ شریک کرو اللہ کا جس کی اس نے سند نہیں اتاری اور اس سے کہ جھوٹ بولو اللہ پر جو تم کو معلوم نہیں" اور فرمایا رسول خدا ﷺ نے مـا مـن قوم یظهر فیهم الزنا الا اخذو بالسنة وما من قوم یظهر فیهم الرشا الا اخذو بالرعب "یعنی نہیں کوئی قوم کہ ظاہر ہو ان میں زنا مگر کہ پکڑے جاتے ہیں ساتھ عذاب قحط کے اور نہیں کوئی قوم کہ ظاہر ہو ان میں رشوت مگر کہ پکڑے جاتے ہیں ساتھ خوف کے" اور حضرت ابن عباس ﷜ سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں وہ نہیں ظاہر ہوتی خیانت کسی قوم میں مگر کہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے دل میں خوف اور نہیں پھیلتا زنا کسی قوم میں کہ کثرت ہوتی ہے اس میں موت کی اور نہیں ناقص کرتی کوئی قوم پیمانہ اور ترازو کو مگر کہ قطع کیا جاتا ہے ان سے رزق اور نہیں حکم کرتی قوم بغیر حق کے مگر کہ پھیلتا ہے ان میں کشت و خون اور نہیں عہد شکنی کرتی کوئی قوم مگر کہ مسلط ہوتا ہے ان پر دشمن اور فرمایا رسول خدا ﷺ نے اس حالت میں کہ گرد ان کے ایک جماعت تھی اصحاب سے کہ بیعت کرو مجھ سے یعنی عہد کرو اس پر کہ نہ شریک کرو ساتھ اللہ کے کسی کو اور نہ چوری کرو اور نہ زنا کرو یہ ٹکڑا ہے حدیث بڑی کا کتنی ہی چیزوں کا حضرت نے عہد لیا جو چاہے مشکوٰۃ کے باب الایمان میں دیکھ لے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت سے کتنے ہی گناہ بڑے پوچھے اور آپ نے بیان فرمائے چنانچہ منجملہ ان کے یہ بھی فرمایا ان تـزنـی حـلـیلة جـارک "یعنی گناہ کبیرہ یہ بھی ہے کہ زنا کرے تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے" زنا تو مطلق بُرا اور کبیرہ ہے لیکن یہ سب سے بدتر ہے واسطے اہتمام شان کے خاص اس کو بیان فرمایا اور فرمایا رسول خدا ﷺ نے لا یـزنـی الزانی حین یزنی وهو مـومـن۔ یہ بھی ٹکڑا ہے حدیث بڑی کا ترجمہ ساری حدیث کا یہ ہے نہیں زنا کرتا زنا کرنے والا جس وقت کہ زنا کرتا ہے اور ہو وہ مومن یعنی زانی زنا کے وقت پورا مومن نہیں رہتا اور نہیں چوری کرتا چوری کرنے والا جس وقت کہ چوری کرتا ہے اور وہ ہو مومن اور نہیں شراب پیتا شراب پینے والا جس وقت کہ پیتا ہے اور وہ ہو مومن اور نہیں لوٹتا لوٹنا کہ اٹھاویں لوگ طرف اس کے بیچ اس لوٹ کے آنکھیں اپنی اس وقت کہ لوٹتا ہے اور ہو وہ مومن یعنی آشکارا لوٹتا ہے کہ لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور نالہ کرتے ہیں اور دفع نہیں کر سکتے اور نہیں خیانت کرتا ایک تمہارا جس وقت کہ خیانت کرتا ہے اور ہو وہ مومن پس بچو تم بچو تم یعنی ان گناہوں سے اور ابن عباس ﷜ کی روایت میں یہ زیادہ ہے اور نہیں قتل کرتا جس وقت کہ قتل کرتا ہے اور ہو وہ مومن کہا عکرمہ نے کہ کہا میں نے واسطے ابن عباس کے کہ کس طرح نکالا جاتا ہے ایمان اس سے کہا انہوں نے اس طرح اور بیچ دیا درمیان انگلیوں اپنے کے پھر نکالا ان کو فرمایا اگر توبہ کرتا ہے عود کرتا ہے طرف اس کے اس طرح سے اور پھر بیچ دیا درمیان انگلیوں اپنی کے ف یعنی پنجہ ایک ہاتھ کا درمیان دوسرے ہاتھ کے ڈال کر نکالا کہ پہلے ایمان آدمی کے ساتھ اس طرح ملا ہوا تھا پھر یوں نکل آتا ہے پھر اگر توبہ کرتا ہے تو پھر بدستور آ جاتا ہے اور فرمایا رسول خدا ﷺ نے جس وقت کہ زنا کرتا ہے بندہ نکل جاتا ہے اس سے ایمان پس ہوتا ہے اس کے سر پر مانند سائبان کے پس جبکہ فارغ ہوتا ہے اس عمل سے پھر آتا ہے طرف اس کے ایمان نقل کی یہ ترمذی اور ابوداؤد نے اور معراج کی حدیث میں بزاز اور طبرانی نے ابوہریرہ ﷜ سے روایت کیا ہے ثم بـاقـوام عـلـی اقبـالهـم رقاع وعلی ادبارهم تسرحون کما تسرح الماشیة یاکلون الضریع والزقوم ورضف جهنم وهم ما نعوا الزکوة ویقوم بین ایدیهم لحم نضیج طیب فی قدور یا با کلونه ولحم خبیث منتن فی قدور یا کلونهم وهم الذین یترکون حلال ازوجهم ویطلبون الحرام یعنی پھر گذرے حضرت ﷺ شب معراج میں ایک قوم پر کہ ان کے آگے کے ستر پر چیتھڑے تھے اور پیچھے کے ستر پر چر رہے تھے جیسے کہ چرتے ہیں مویشی کھاتے تھے ضریع اور سینڈھی اور گرم پتھر جہنم کے اور وہ نہ دینے والے زکوٰۃ کے تھے اور گذرے آپ ایک قوم پر کہ آگے ان کے گوشت ہے پکا ہوا ستھرا ہانڈیوں میں نہیں کھاتے ہیں اس کو اور گوشت ہے بدبو سڑا ہوا ہانڈیوں میں اس کو کھا رہے ہیں اور وہ وہ لوگ تھے کہ چھوڑ رکھا تھا

انہوں نے حلال بیویوں اپنی کو اور طلب کرتے تھے حرام یعنی حرام کاری کرتے تھے اور فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ دنیا شیریں و سبز ہے اور اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کیا ہے تم کو اس میں سے پس دیکھتا ہے کہ کیسے عمل کرتے ہو فاتقوا الدنیا والنساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء رواہ مسلم "یعنی پس ڈرو تم دنیا اور عورتوں سے اس لئے کہ اول فتنہ بنی اسرائیل کا تھا عورتوں میں" نقل کی یہ مسلم نے ف اس فتنہ کے بیان میں بعض شارحین حدیث نے یوں لکھا ہے کہ بلعم بن باعورا ایک شخص بنی اسرائیلیوں میں سے یا کنعانیوں میں سے تھا رہنے والا شہر جبارون یا شہر بلقا، کا اسم اعظم جانتا تھا اور مستجاب الدعوات تھا جس وقت کہ موسیٰ علیہ السلام ساتھ قصد جنگ جبارون کے ولایت شام میں بیچ زمین بنی کنعان کے اترے تو قوم بلعم کی اس کے پاس آئی اور کہا کہ موسیٰ ساتھ لشکر بہت کے ہمارے نکالنے اور قتل کرنے کے لئے آیا ہے دعا کر کہ ہم سے پھر جاوے بلعم نے کہا کہ جو کچھ کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے پیغمبر خدا ﷺ پر اور مومنوں پر کیونکر بددعا کروں اور اگر کروں تو دنیا اور آخرت میری دونوں برباد جائیں اس کی قوم نے بہت منت سماجت کی اس نے کہا کہ خیر طلب خبر کی خدا سے کرتا ہوں میں دیکھوں کیا حکم ہوتا ہے اور وہ بدوں طلب خبر کے کوئی کام نہیں کرتا تھا جب طلب خبر کی اس نے کی تو خواب میں دیکھا کہ پیغمبر اور مومنوں پر بددعا نہ کر بلعم نے اپنی قوم سے یہ خواب بیان کیا اس کی قوم تحفے اس کے لئے لائی اور بہت عجز والحاح اور تکرار اور تضرع وزاری کی حتیٰ کہ اس کو فتنہ میں ڈالا بلعم بقصد دعا کے اپنے گدھے پر سوار ہو کر متوجہ ہوا طرف پہاڑ حبان کے کہ مشرف تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر، راہ میں کتنے بار گدھا اس کا زمین پر گرا اور بہت مار پیٹ کر اس کو کھڑا کرتا تھا آخر الامر گدھا اس کا اذن الٰہی سے بولا کہا وائے تجھ کو اے بلعم نہیں دیکھتا تو کہ کہاں جاتا ہے ملائکہ آگے میرے آ کر مجھ کو پھیرتے ہیں بلعم گدھے کو چھوڑ کر پیادہ پا پہاڑ کے اوپر چڑھا اور دعا کی جو کلمہ بد کہ بنی اسرائیل کے حق میں زبان سے نکالنا چاہتا تھا قدرت حق سے بجائے بنی اسرائیل کے نام بلعم کی قوم کا جاری ہوتا تھا اسی کی قوم نے کہا ہم پر دعائے بد کرتا ہے تو اس نے کہا کہ حق تعالیٰ مجھ پر اس کو غالب کرتا ہے یعنی میں ناچار ہوں بے اختیار میری زبان سے نام قوم کا نکلتا ہے پھر زبان اس کی اس کے منہ سے نکل کر اس کے سینہ پر پڑی اور کہا کہ دنیا اور آخرت میری گئی گذری اب کچھ حیلہ کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اپنی عورتوں کو آراستہ کر کر اشیاء ان کے ہاتھوں میں دے کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بحیلہ بیچنے ان اشیاء کے بھیجو اور ان کو حکم کرو کہ اگر کوئی بنی اسرائیل سے کسی عورت کو بلاوے تو انکار نہ کرے اگر ایک بھی زنا میں گرفتار ہوگا تو مہم تمھاری فتح ہو جائے گی قوم بلعم نے ایسا ہی کیا جب عورتیں ان کی بنی اسرائیل کے لشکر میں آئیں تو ایک عورت کستی بنت صور نام کنعانیہ آگے ایک مرد کے امیروں بنی اسرائیل کے سے کہ زمری بن شلوم نام تھا اور رئیس تھا گروہ شمعون کا گذری اور وہ اس عورت کو دیکھ کر فریفتہ جمال اس کے کا ہوا اور ہاتھ اس عورت کا پکڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے لے گیا اور کہا اس کو مجھ پر حرام کہتے ہو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہاں حرام ہے ہرگز اس کے پاس نہ جا، زمری نے کہا کہ اس امر میں مطیع تیرا نہیں ہونے کا اور اس عورت کو اپنے خیمے میں لے جا کر اس کے ساتھ زنا کیا حق تعالیٰ نے اس کی شامت سے طاعون یعنی وبا اوپر لشکر بنی اسرائیل کے بھیجی کہ ایک ساعت میں ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے فنحاص بن العیزار بن ہارون مرد قوی اور داروغہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھا اس امر سے خبر پا کر حربہ اپنا لے کر زمری کے خیمے میں آ کر اس کو اور اس عورت کو ایک حربہ سے مارا اور کہا الٰہی ہم کو بسبب معصیت اس شخص کے ہلاک کرتا ہے تو اسی وقت سے طاعون رفع ہوا تمام ہوئی یہ حکایت اور یہ تفسیر بحر العلوم میں معالم سے نقل کی ہے اب یہ جگہ غور کی ہے کہ اس کو سن کر مرد و عورت عبرت پکڑیں کہ ایک زنا کی شامت سے کیا کچھ ہوا کہ ستر ہزار آدمی مرے چہ جائے کہ جہاں ہزاروں زنا ہوں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک روز صبح کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آج کی رات میں نے دیکھا یعنی خواب میں دو شخصوں کو آئے میرے پاس اور پکڑے دونوں ہاتھ میرے اور نکالا مجھ کو طرف زمین پاک کے یعنی شام کے پس ناگہاں ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ایک شخص کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں آنکڑا ہے لوہے کا ڈالتا ہے اس کو بیٹھے ہوئے کے کلے میں اور چیرتا ہے اس کو یہاں تک کہ پہنچتا ہے چیرا اس کی گدی تک پھر کرتا ہے ساتھ کلے دوسرے اس کے مانند اسی کے یعنی آنکڑے سے گدی تک چیرتا ہے اور جب مل جاتا ہے یہ پھر عود کرتا ہے پس کرتا ہے مانند اسی کے یعنی ہر بار کلے چیرتا ہے اور جب مل جاتے ہیں پھر چیرتا ہے ہر بار یونہی کرتا ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ کہا میں نے ان دو شخصوں سے کہ کیا ہے یہ کہا ان دونوں نے چلو یعنی پوچھو مت چلے چلو اور عجائب دیکھتے ہیں تعبیر اس کی معلوم ہو جائے گی پس چلے ہم یہاں تک کہ آئے ہم اوپر ایک شخص کے کہ لیٹا ہوا تھا چت اور ایک شخص کھڑا تھا اس کے سر پر ایسا پتھر لئے ہوئے کہ جس سے ہاتھ بھر جائے یا فرمایا بڑا پتھر لئے ہوئے کچلتا ہے سر اس کا پس جس وقت مارتا ہے اس کو لنڈھ جاتا ہے پتھر پس جاتا ہے وہ طرف اس پتھر کے تا کہ لاوے اس کو مارنے کے لئے پس نہیں پھرتا طرف اس کے یہاں تک کہ مل جاتا ہے سر اس کا اور ہو جاتا ہے سر اس کا جیسا کہ تھا پھر عود کرتا ہے طرف اس کے اور مارتا ہے اس کو پس کہا میں نے کیا ہے یہ کہا ان دونوں نے چلے چلو پس چلے ہم یہاں تک کہ آئے ہم طرف ایک گڑھے کے کہ تھا مانند تنور کے اوپر اس کا تنگ تھا اور نیچا اس کا کشادہ جلتی تھی نیچے اس کے آگ پس جس وقت کہ اوپر اٹھتی آگ اوپر اٹھتے آدمی کہ تھے آگ میں یہاں تک کہ قریب تھا باہر نکل پڑیں

اس سے پھر جس وقت کہ پست ہوتا تھا شعلہ آگ کا پھر گر پڑتے اس میں اور اس آگ میں تھے کتنے ایک مرد اور کتنی ایک عورتیں ننگی پس کہا میں نے کیا ہے یہ کہا ان دونوں نے کہ چلے چلو پس چلے ہم یہاں تک کہ آئے ہم ایک نہر پر کہ بھری ہوئی تھی خون سے اس میں ایک شخص تھا کھڑا بیچوں بیچ نہر کے اور نہر کے کنارے پر ایک شخص تھا کہ آگے اس کے پتھر رکھے تھے پس آگے آیا وہ شخص کہ بیچ میں تھا نہر کے پس جس وقت کہ ارادہ کرتا ہے یہ کہ نکلے پھینکتا ہے پتھر وہ شخص کہ کنارے پر تھا اس کے منہ میں پس پھیر دیتا ہے اس کو جس جگہ تھا پس جب آتا ہے وہ تا کہ نکلے پھینکتا ہے کنارے والا بیچ منہ اس کے پتھر پس پھرتا ہے اسی جگہ جیسا کہ تھا پس کہا میں نے کیا ہے یہ کہا ان دونوں نے چلے چلو پس چلے ہم یہاں تک کہ پہنچے ہم طرف ایک باغ سبز کے اس میں تھا ایک درخت بڑا اور اس کی جڑ میں ایک بوڑھا ہے اور لڑکے اور ناگہاں وہاں ایک اور شخص ہے نزدیک درخت کے آگے اس کے آگ ہے کہ جلاتا ہے اس کو پس لے چڑھے مجھ کو دونوں شخص درخت پر اور داخل کیا مجھ کو ایک گھر میں کہ تھا بیچوں بیچ درخت کے نہیں دیکھا میں نے کبھی بہتر اس گھر سے اس میں کتنے مرد ہیں بوڑھے اور جوان اور عورتیں اور لڑکے پھر نکالا ان دونوں نے مجھ کو اس گھر سے اور لے چڑھے مجھ کو اوپر درخت کے پھر داخل کیا مجھ کو ایک گھر میں کہ بہت اچھا اور افضل تھا پہلے گھر سے اس میں تھے بوڑھے اور جوان پس کہا میں نے واسطے ان دونوں کے کہ تحقیق تم نے بہت پھرایا مجھ کو آج کی رات پس خبر دو مجھ کو اس چیز سے کہ دیکھی میں نے کہا ان دونوں نے کہ ہاں خبر دیتے ہیں ہم اس پر وہ شخص کہ دیکھا تم نے اس کو کہ چیرے جاتے ہیں کلے اس کے پس وہ شخص جھوٹا ہے بولتا ہے جھوٹ پس نقل کی جاتی ہیں جھوٹی باتیں اس سے یہاں تک کہ پہنچتی ہیں اطراف زمین میں پس کیا جاتا ہے ساتھ اس کے جو کچھ کہ دیکھا تم نے قیامت تک اور وہ شخص کہ دیکھا تم نے اس کو کہ کچلا جاتا ہے سر اس کا پس وہ شخص ہے کہ سکھلایا اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن یعنی توفیق دی اس کے سیکھنے کی پھر سو رہا اس سے رات کو اور نہ عمل کیا دن کو موافق اس چیز کے کہ قرآن میں ہے کیا جاتا ہے ساتھ اس کے جو کچھ کہ دیکھا تم نے قیامت تک اور وہ کہ دیکھے تم نے تنور میں پس وہ زنا کار ہیں اور جس کو دیکھا تم نے نہر میں وہ سود خور ہے اور وہ بوڑھا کہ دیکھا تم نے اس کو بیچ جڑ درخت کے ابراہیم علیہ السلام تھے اور لڑکے گرد ان کے پس اولاد ہے آدمیوں کی اور وہ شخص کہ جلاتا ہے آگ مالک ہے داروغہ دوزخ کا اور گھر پہلا کہ داخل ہوئے تم اس میں گھر ہے عامہ مومنین کا یعنی وہ بہشت ہے کہ جس میں تمام مومنین ہوں گے اور اس پر یہ گھر پس گھر ہے شہیدوں کا اور میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں اور اٹھاؤ تم سر اپنا پس اٹھایا میں نے سر اپنا پس ناگہان اوپر میرے مانند ابر کے تھا یعنی نہایت بلندی میں اور ایک روایت میں مانند ابر تو ابر سفید کے کہا ان دونوں شخصوں نے کہ ہے یہ مکان آپ کا کہا میں نے کہ چھوڑ دو مجھ کو داخل ہوں یا ہو جاؤں میں اپنے مکان میں کہا ان دونوں نے کہ باقی رہی ہے عمر تمہاری نہیں پورا کیا تم نے اس کو پس اگر پورا کرو گے تم اس کو داخل ہوں گے اپنے مکان میں تمام ہوا خواب حضرت کا اور خواب حضرت کا بھی ایک قسم معراج سے ہے کہ اس کو معراج منامی کہتے ہیں اور اس میں بھی سوچنے والے کے لئے طرح بطرح کی تنبیہیں ہیں اللہ تعالیٰ ہماری غفلتیں دور کر کر راہ حق دکھائے اور فرمایا رسول خدا ﷺ نے "ملعون من عمل عمل قوم لوط" یعنی لعنت کیا گیا ہے وہ شخص کہ کرے کام قوم لوط کا یعنی اغلام بازی روایت کیا اس کو کہ رزین نے۔ اور ان کی ایک روایت میں ابن عباس سے ہے کہ حضرت علی ﷺ نے جلا دیا فاعل و مفعول کو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ڈھا دی ان پر دیوار اور فرمایا رسول خدا ﷺ نے لا ینظر الله عزوجل الى رجل اتى رجلا او امراة فى دبرها یعنی نہیں دیکھے گا اللہ عزوجل نظر رحمت سے طرف اس شخص کے کہ بدفعلی کرے مرد سے یا عورت سے اس کی دبر میں یہ دونوں" روایتیں مشکوٰۃ کے باب الحدود میں ہیں اس شہوت کی بڑی بڑی آفتیں ہیں بچاوے اللہ تعالیٰ اس کی برائی سے ایک آفت اس کی سحاق ہے یعنی چپٹی بازی کہ عورت عورت سے حرکت کرتی ہے اس کو بھی اہل علم نے لکھا ہے" السحاق من الکبائر" یعنی چپٹی بازی کبیرہ گناہوں سے ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی بطریق مذمت کے فرمایا کہ میری امت میں بعض لوگ ایسے ہوں گے کہ مرد مرد سے حرکت کریں گے اور عورت عورت سے ایسا ہی کچھ مضمون آیا ہے حدیث میں وہ کتاب کہ جس میں یہ حدیث ہے بالفعل موجود نہیں اللہ تعالیٰ کی زیادتی کو معاف فرما دے اور آفت اس کی جلق ہے کہ ہاتھ میں انزال کرتے ہیں اس کے حق میں آیا ہے ناکح الید ملعون یعنی ہاتھ سے بدفعلی کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے اور آفت اس کی یہ ہے کہ بعض لوگ اس وقت کی لونڈیوں کو حلال وطیب سمجھتے ہیں اور صحبت کرتے ہیں حالانکہ وہ شرعی لونڈیاں نہیں ہیں کہ جن سے صحبت درست ہو چنانچہ رسالہ مظہر الحق میں استفتا متضمن اس کے بیان کا مع روایات معتبرہ کہ یہاں کے علما کی مہروں سے مزین نقل کیا گیا ہے جو چاہے اس میں سے دیکھ لے اور جو چیزیں کہ باعث زنا ہیں ان سے بھی بچنا ضرور ہے از انجملہ ایک دیکھنا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے النظر سهم من سهام ابلیس یعنی نظر تیر ہے ابلیس کے تیروں میں سے اور روایت میں ہے ٹکڑا حدیث کا پس زنا آنکھ کا دیکھنا یعنی نظر حرام اور زبان کا بولنا یعنی عورتوں نامحرم سے کلام شہوت انگیز کرنے الخ پس یہ جو مرد و عورت بے پردہ اور خلط ملط رہتے ہیں خصوصاً قرابتی نامحرم مانند خالہ پھوپھی وغیرہ ہما کی بیٹیوں کے اس سے بڑی آفت برپا ہوتی ہے بیان اس کا مفصل تحفۃ الزوجین میں میں نے لکھا ہے اس میں دیکھنا چاہئے اور یہ جو ابتدائی

رسالہ میں میں نے لکھا ہے کہ بعض باعث ہوئے وہ ایک تو کٹنے اور کٹنیاں ہیں کہ جو پیام کرتی ہیں مرد وعورت میں حرام کاری کا اور ایک وہ ہیں کہ اپنے اہل وعیال میں حرام کاری وغیرہ افعال کو روا کہتے ہیں جو کہ اس حدیث میں مذکور ہیں کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے ثلثة قد حرم الله عليهم الجنة مد من الخمر و العاق و الديوث الذى يقر فى اهله الخبث رواہ احمد والنسائی یعنی تین شخصوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کی ہے ایک تو ہمیشہ شراب پینے والا اور دوسرا نافرمان ماں باپ کا اور تیسرا دیوث جو کہ روا رکھے اپنے اہل وعیال میں ناپاکی کو نقل کی یہ احمد ونسائی نے ف اہل وعیال میں یعنی اپنی بیوی یا لونڈی یا قرابتی کے حق میں روا رکھے ناپاکی کو یعنی زنا کو یا مقدمات زنا کو مانند بوس وکنار وغیرہ کے اور انھیں کے حکم میں ہیں تمام گناہ مانند پینے شراب کے اور ترک کرنے غسل جنابت کے اور مانند ان کے لئے یعنی اگر مثلاً بیوی کے دیکھے شراب پیتے یا ترک کرتے غسل جنابت کو اور منع نہ کرے تو وہ بھی دیوث کے حکم میں ہے اس لئے کہ کہا طیبی نے کہ دیوث وہ ہے کہ دیکھے اپنے اہل میں بری چیز اور نہ غیرت کرے ان پر اور نہ منع کرے ان کو اس سے انتہی یہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں لکھا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو تمام بے حیائی اور گناہوں کی باتوں سے منع کرنا چاہئے پس جو کہ زنا کاری اور چھپی بازی کو روا رکھے اپنے گھر والوں میں اس کا دیوث ہونا ظاہر ہے اور جو کہ اپنے گھر والوں کے لئے بے پردگی اور خلط ملط رہنے کو اور ہمکلام ہونے کو ساتھ اجنبیوں کے اور بری باتوں کو روا رکھے وہ بھی دیوث ہے عیاذاً باللہ منہ اور کہا ابن عباس ﷛ نے حضرت نبی ﷺ سے عشرة اصناف من امتى لا يد خلون الجنة الا من تاب اولهم القلاع و الجيوف و القتات و الدبوب و الديوث و صاحب العرطبة و صاحب الكوبة و العُتل و الزنيم و العاق لوالديه یعنی دس قسم امت میری سے داخل نہ ہوں گی بہشت میں مگر جس نے توبہ کی پہلا ان کا قلاع ہے اور جیوف اور قتات اور دبوب اور دیوث اور صاحب عرطبہ اور صاحب کوبہ اور عتل اور زنیم اور نافرمان اپنے ماں باپ کا کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون ہے قلاع فرمایا وہ شخص کہ چلے آگے امیروں کے اور کہا گیا کون ہے جیوف فرمایا کفن چور ہے اور کہا گیا ہے کون ہے قتات فرمایا چغل خور اور کہا گیا کون ہے دبوب فرمایا وہ کہ اکٹھی کرے اپنے گھر میں لونڈیاں واسطے گناہ کے یعنی زنا کاری اور گانے بجانے کے لئے اور کہا گیا کون ہے دیوث فرمایا وہ شخص کہ غیرت نہ کرے اپنی بیوی پر اور کہا گیا کون ہے صاحب عرطبہ فرمایا وہ شخص کہ بجائے طبل اور کہا گیا کون ہے صاحب کوبہ فرمایا وہ شخص کہ بجائے طنبور اور کہا گیا کون ہے عتل فرمایا وہ شخص کہ نہ بخشے گناہ اور نہ مانے عذر اور کہا گیا کون ہے زنیم فرمایا وہ شخص کہ پیدا ہوا زنا سے اور بیٹھے شاہراہ پر اور غیبت کرے لوگوں کے اور عاق مشہور ہے۔ اور بڑے باعث وہ بھی ہیں کہ جو اپنے قرابت کی بیواؤں کو نکاح سے روکتے ہیں ناچار وہ بیچاریاں بغلبہ شہوت حرام کاری میں گرفتار ہو جاتی ہیں نہ یہ نکاح سے روکتے نہ ان کو حاجت زنا کاری کی پڑتی اور یہ کفر صریح ہے کہ دوسرے نکاح کو عیب جانے چنانچہ عروس المومنین میں یہ مضمون میں نے مفصل لکھا ہے اور استفتا بہت سے علماء کی مہروں کا بھی اس میں داخل ہے اس مضمون کا کہ اس کو عیب برا جاننا کفر ہے معاذ اللہ منہ اور یہ جو اوپر میں نے لکھا کہ بعض طرح دیتے تھے اس پر بھی وعید آیا ہے کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے ہرگز نہیں یوں قسم اللہ کی البتہ حکم کرو اچھی باتوں کا اور البتہ منع کرو بری باتوں سے اور منع کرو ظالم کو ظلم سے اور کھینچو اس کو حق کی طرف کھینچنا اور روکو اس کو حق پر روکنا سخت وسیاہ کر دے گا اللہ تعالیٰ دل بعضوں کے یعنی جنھوں نے گناہ نہیں کیے ہیں بسبب شامت گناہگاروں کے یعنی پس ہو جائیں گے ہجی کے دل سخت اور بعید قبول کرنے خیر ورحمت کے سے بسبب معاصی کے اور بسبب مخالطت بعض ان کے بعض سے پھر لعنت کرے گا اللہ تم کو جیسے کہ لعنت کی بنی اسرائیل کو یہ حدیث مشکوۃ کے باب الامر بالمعروف میں ہے حاصل یہ کہ اپنے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرے اور رویا کرے اپنے گناہوں پر اور سو بار استغفار ہر روز پڑھا کرے اور دعا کیا کرے ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا و ترحمنا لنكونن من الخسرين اور ربنا اتنا فی الدنيا حسنة وفي الاخرة حسنة وقنا عذاب النار اور فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے کہ لائق ہے مسلمان کو یہ کہ پڑھا کرے اس دعا کو صبح وشام اس لئے کہ یہ سبب ہے بچنے کا ورطہ شرک وکفر سے بسبب وعدہ نبی ﷺ کے اللهم انى اعوذبك من ان اشرك بك شيئا وانا اعلم واستغفر لما لا اعلم اور حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو کوئی دس بار اس دعا کو ہر روز پڑھا کرے درجہ ابدال کا پائے اللهم اصلح امة محمد وفرج عن امة محمد وارحم امة محمد۔ یہ دعا بھی مناسب ہے اس وقت کے حال کے اس کو بھی پڑھا کریں تو خوب ہے الحمد لله اولاً وّ آخراً وظاهراً وّباطناً اللهم وفقنا لما تحب وترضىٰ وصل على نبينا وسيدنا وشفيعنا ابداً ابداً برحمتك يا ارحم الراحمين۔

✿ ✿ ✿

مانعة الزنا

نواب محمد قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کیا خبر اس مقام سے، گزرے ہیں کتنے کارواں

حافظ شیخ محمد قاسم

یہ اس وقت کی بات ہے جب میری عمر جوانی کی دہلیز پر بوسہ زن نہ ہوئی تھی۔ رب کریم نے شاہ جی کی معیت میں حرمین شریفین کی زیارت کی توفیق مرحمت فرمائی۔ جبل نور نے رحمت کا دامن پسارا اور پانچ آدمیوں کا مختصر سا قافلہ غار حرا کے نورانی لمس سے فیض یاب ہونے کے لئے نور کی سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا عصر کے وقت غار حرا میں پہنچنے کی تیاری کرنے لگا۔ غار کی عقبی چٹان پر عبدالرحیم کی آواز میں اذان گونجی۔ بدن میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، بھائی عبدالرحیم کہتے ہیں پہلی بار محسوس ہوا لفظوں کی شگفتگی روح، دل اور پیٹ کی بھوک دور کر سکتی ہے۔ اذان کے بعد پتھریلی زمین پر ایک پھٹی ہوئی چٹائی پر شاہ جی نے عصر کی نماز کے لئے اللہ اکبر کہی اور پھر اس کے بعد پتہ نہ چل سکا کہ سجدے رکوع اور قیام کیسے ادا ہوئے۔ ہر فرد کا تاثر یہ تھا کہ جیسے نور کے جھولے میں ہم سب بیٹھے ہوں اور عالم ملکوت سے گزرتے گزرتے معبود و محبوب نے اپنی حضوری کے دروازے کھول دیئے ہوں، یقیناً وہاں کے چند سجدوں میں محسوس ہوا کہ نماز مؤمن کی معراج ہے۔ بھرائی ہوئی آواز میں شاہ جی نے سلام پھیرا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں کے سنگریزوں، چٹانوں اور نماز کے محرابی زاویوں کو بوسے دینے شروع کر دیے۔ شاہ جی کے ایک پرانے سنگی میاں اختر زیب تو وجد میں آ گئے اور شاہ جی نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ شوق وارفتگی اور گریہ و بکا کی حقیقت صرف یہ تھی یہ احساس اپنی گرفت محکم کر رہا تھا کہ تم لوگ کس قدر خوش بخت ہو کہ اس مقام نور پر کھڑے ہو جہاں قرآن کی سب سے پہلی آیات نازل ہوئیں۔ جذبوں کی برسات تھمی تو پانچوں ساتھی غار سے نکل کر پہاڑ کی چوٹی پر آ بیٹھے اور وہاں کسی زائر نے نرم اور ملائم چٹائی جیسے ان ہی کے لئے بچھا رکھی تھی۔ شاہ جی ذرا ستانے کے لئے لیٹ گئے اور آپ نے اپنا سر میاں اختر زیب کے زانوؤں پر رکھ دیا۔ ایک ساتھی نے ٹشو پیپر پر تازہ انجیر رکھ کر شاہ جی کو پیش کی آپ اٹھ بیٹھے اور سب مل کر وفور عشق کے ہجوم میں تناول کرنے لگ گئے اور شاہ جی نے سورۃ تین تلاوت فرمائی اور مسحور کن انداز میں ترجمہ فرمایا:

''قسم انجیر کی اور زیتون کی
اور طور سینا کی
اور اس امان والے شہر کی''

لگا بلد الامین کی ساری تاریخ ڈوبتے سورج کے قلم سے شفق میں جلوہ گر کر دی گئی ہے۔ خیالات کے ہجوم میں جذبات کے بند پھر کھل گئے۔ فضا ایک بار پھر آہوں سسکیوں اور ہو اور ہا سے بھر گئی۔ مغرب کی نماز شاہ جی نے درد بھری کیفیت سے پڑھائی اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ تین پڑھی اور دوسری میں سورۃ کوثر تلاوت فرمائی۔ نماز سے فارغ ہونے تو شاہ جی فرمانے لگے آج مغرب کے بعد حجاز مقدس کے معروف عالم دین اور عبقری سید محمد بن علوی المالکی الحسینی نے دعوت کی ہوئی ہے اور ہم تھوڑے لیٹ ہیں۔ پہاڑ سے نیچے اترنے کے بعد گاڑی میں بیٹھے تو بھائی غلام مرسلین نے سید صاحب کے گھر گویا پلک جھپکنے میں پہنچا دیا۔ دیکھا تو دیوانیہ عرب علماء سے بھرا ہوا تھا۔ ہندوستان سے علامہ ارشد القادری، پاکستان سے سید شجاعت علی قادری اور بنگلہ دیش سے علامہ سید جلال الدین پہلے سے محفل میں موجود تھے۔ سید صاحب کی محفل میں یہ دستور ہوتا کہ مائیک ہر عالم کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور وہ حسب حال پانچ منٹ تک گفتگو فرماتے اور آخر میں سید صاحب خود خطاب ذیشان فرماتے۔ ترتیب سے جب مائیک شاہ جی کے سامنے رکھا گیا تو ہم نے خود بھی پہلی مرتبہ شاہ جی کی زبان سے عربی زبان میں پندرہ منٹ کی گفتگو سنی۔ آپ کی باتوں کا لب لباب یہ تھا کہ سیاست مدن میں مد و جزر عارضی چیز ہوتی ہے علماء اہل سنت کو حقائق، صدق اور اپنے تاریخی ورثہ پر گرفت مضبوط رکھنی چاہیئے۔ علامہ یوسف نبہانی، احمد رضا بریلوی اور فضل حق خیر آبادی نے جس طرح زندگی گزاری ہے وہ تسلسل قائم رکھنا چاہیئے۔

علامہ ارشد القادری نے ہندوستان میں اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے خوبصورت گفتگو فرمائی۔ سید شجاعت علی قادری نے فصیح عربی میں محبت رسول ﷺ کے عنوان پر گوہر فشانی فرمائی۔ سید مالکی نے پوری دنیا میں عموماً اہل سنت کے حلقوں میں علمی انحطاط پر گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا اور شاہ جی کو دوبارہ ملاقات کی دعوت ارشاد فرمائی۔ کھانے کے بعد بزرگوں نے رابطہ عالم اسلامی کی طرز پر تنظیم سازی کی ضرورت پر بھی مشاورت فرمائی۔ اس سفر میں فضیلت الشیخ احمد مالکی سے بھی شاہ جی کی ملاقاتیں رہیں، شیخ عجز و نیاز کا پیکر تھے۔ انہی کے وسیلے سے سید عبدالقادر الحسینی الجزائری بھی شاہ جی سے کھلے اور مدینہ شریف کا سفر اکٹھے فرمایا۔ شہدائے بدر کے حضور بزرگوں نے میلاد شریف بھی پڑھا۔ الفاظ تو یاد نہیں مفہوم ایک شعر کا یاد پڑ رہا ہے۔ بدر کے بیضوی میدان کو علامہ الجزائری نے مادر رحمت کی آغوش قرار دیا اور آسمانوں کو انوار کا رحمت رنگ گنبد ٹھہرایا۔ لگا ہم سارے جیسے حضور ﷺ کے قدموں میں بیٹھے جھوم رہے ہوں۔ مدینہ شریف پہنچے تو پہلے دن ہی آزمائش نے دروازے کھول لئے۔ سیاہ فام رعونت زدہ پولیس کے ایک ورکر نے شاہ جی کو پکڑ لیا، پاسپورٹ ضبط ہو گیا، پوچھ گچھ شروع ہو گئی،

بدعت اور شرک کے الزامات داغے گئے لیکن شاہ جی نے صبر واستقامت سے اسلاف کے طریقے پر ایک ایک سوال کا جواب دیکر عدالت کو مطمئن کر دیا۔ چار نمازوں میں مسجد شریف میں غیر حاضری ہو گئی۔ تہجد کے وقت سید عبدالقادر الحسنی الجزائری شاہ جی کے رہائش گاہ پر آئے اور زاروقطار روتے ہوئے شاہ جی کا کبھی ماتھا چومتے اور کبھی ہاتھ چومتے۔ رات آپ کے ساتھ کیا بیتی۔۔۔؟ اور پھر خود ہی اپنا خواب بیان کیا کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ دبیز ظلمتیں آپ کو گھیر لیتی ہے اور پھر اچانک گنبد شریف سے ایک نور نکلتا ہے جو آپ کا محاصرہ کر لیتا ہے اور اس طرح تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، یقیناً وہ نور حضور ﷺ کا ہوگا۔ ہمارے سردار پہلے بتائیں آپ کے ساتھ کیا ہوا؟ شاہ جی نے تفصیل بتائی اور علامہ سید عبدالقادر الحسینی الجزائری نے الحمدللہ پڑھی اور صبح کی نماز کے بعد دونوں بزرگ اشراق کی نماز تک حضور ﷺ کی نعتیں پڑھتے اور سنتے رہے۔ بعد ازاں جب سید الجزائری کا مغرب میں وصال ہوا تو شاہ جی کئی مہینوں تک تڑپتے رہے اور دوستوں سے فرماتے رہے کہ سید الجزائری انمول ہیرا تھے ان کی مغفرت کے لئے سارے دعا کرو اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ شاہ جی سے میں نے صوفیاء کا ایک قول سنا ہے جو آپ نے امام قشیری کے حوالے سے بیان فرمایا کہ آپ اپنے رسالہ عظیمہ میں صوفیاء کا ایک قول نقل فرماتے ہیں" ہمارے راز سننے والے اور انوکھے ہوتے ہیں جن تک کسی کا وہم بھی نہیں جاسکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

شام، لبنان، دبئی، قطر، کویت، مصر اور حجاز مقدس کے علاوہ مشائخ اور فقراء سے شاہ جی کے تعلقات بھی ایک خوبصورت راز ہیں اس بات کا اندازہ آپ کو ان دو خطوط سے ہو جائے گا خط کے مضامین بتاتے ہیں کہ دونوں محبت نامے شاہ جی کے کسی خط کے جواب میں ہیں۔ اور شاہ جی نے مجھے بتا بھی دیا تھا کہ ڈاکٹر رضا فاروقی نے شاید ان خطوط کے عربی متون سوئے منزل میں پہلے سے چھاپ بھی دیے ہیں۔ مصر میں سکولز کے ڈائریکٹر جنرل مروان احمد مروان آپ کے نام خط میں لکھتے ہیں:

ہمارے محترم بھائی

فاضل استاد جناب سید ریاض حسین شاہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دو سال سے آپ کے خط کا انتظار رہا اور اب جب کہ آپ کا خط ملا تو رسول کریم کے گنبد خضری کے سائے میں ہونے والی ملاقاتوں کی یاد تازہ ہو گئی، پھر دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں بار بار حضور علیہ السلام کے جوار اقدس میں ملاقات نصیب فرمائے، ہم آپ کو مسلمانوں کی خیر خواہی اور اسلام کی بہتری کے لئے ممکن تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔ انشاء اللہ ہمارا دینی رابطہ قائم رہے گا۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم رہے گا ان کے مخالف ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ قیامت ہو جائے گی اور وہ جدوجہد کر رہے ہوں گے، اور یہ بھی کہ احوال کی سختیاں مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالتی رہیں گی اس لئے کہ اللہ رب العزت اہل ایمان کو نکھارے اور کفر کو مٹا دے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ہمیں ایسے ہی لوگوں میں رکھے۔

آخر میں خلوص سے بھرپور سلام قبول فرمائیں اور دوسرے مسلمان بھائیوں تک بھی ہمارا سلام پہنچائیں۔

آپ کا محب

مروان احمد مروان

ڈائریکٹر جنرل سکولز مصر

اسیوط مصر سے ابراہیم عثمان خامہ فرسا ہوتے ہیں:

برادر محترم فضیلۃ الشیخ جناب سید ریاض حسین شاہ صاحب ڈائریکٹر ادارہ تعلیمات اسلامیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

درود وسلام ہوں اس ہستی پر جن کے ذکر سے سینے کشادہ ہوتے ہیں، الجھنیں دور ہوتی ہیں اور جہالت کے پردے شق ہوتے ہیں اور درود وسلام ہوں حضور ﷺ کی آل پاک آپ کے اصحاب پر آپ کی یاد آوری پر آپ کا بہت مشکور ہوں۔ مجھے آپ کے خط کا شدت سے انتظار تھا۔ ہمارے اور آپ کے تعلق کی بنیاد زمین کا ایک ایسا ٹکڑا بنا ہے جو برکات، نفحات، فیوضات اور انوار کے لحاظ سے بہت عظیم ہے اور یہ ٹکڑا زمین مسجد رسول ﷺ ہے۔ ایام حج میں مسلمانوں کی باہمی ملاقاتوں سے رابطہ بڑھتا ہے۔ مسلمانوں کی قوت بڑھتی اور اکٹھا ہونے کے مواقع میسر آتے ہیں، اور مسلمانوں کا اکٹھا ہونا اس وقت بہت بڑی ضرورت ہے۔ باجماعت نماز، جمعہ اور حج اسی مقصد کی ایک کڑی ہیں اور یہ بات مسلمہ ہے کہ دینی تعلق قومی رشتوں اور آبائی رشتوں سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ ایک موقع پر رسول ﷺ نے حضرت بلال ؓ کے بارے میں

ارشاد فرمایا کہ بلال میرے اہل بیت میں سے ہے حالانکہ حضرت بلال نسلاً حبشی تھے۔ اس کے باوجود صرف اپنے اسلام اور ایمان کی بنیاد پر آپ ﷺ کے اہل بیت قرار پائے ۔ جبکہ اللہ نے حضرت نوح کے بیٹے کے بارے میں فرمایا اے نوح! وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ اللہ کا یہ ارشاد اس لئے ہے کہ حضرت نوح کا بیٹا کفر کا علمبردار اور اپنے والد حضرت نوح کے دین سے منحرف تھا، لہٰذا اصل تعلق تو ________ لا الہ الا اللہ ________ محمد رسول اللہ ________ کا تعلق ہے۔

کیوں نہ مسافتوں کے بعد اور زمانوں کی خلیج ہی اس میں حائل ہو

کیوں نہ زبان وکلام کا تباین اور رنگ ونسل کا اختلاف بس اسلام میں بہترین وسیلہ وسیلہ ربط اسلام ہے۔

آپ کے فضیلت مآب خط نے بیشک ہمیں لامحدود سعادتوں سے نوازا کیوں نہ ایسے ہو ________ مسلمان مسلمان کا آئینہ ہوتا ہے ۔ یا پھر یہ کہ لیس کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسے جس طرح دو ہاتھ ہوتے ہیں۔ ہر ہاتھ دوسرے ہاتھ کو صاف ستھرا رکھتا ہے اور وہ ملاقاتیں جو اللہ کے لئے ہوں وہ از حد خوبصورت صلہ رکھتی ہیں اور در اصل بقا بھی انہی کو نصیب ہوتی ہے۔ غیر اللہ کی بنیادوں پر استوار ہونے والے تعلقات ختم ہو جانے والے ہوتے ہیں۔

" ہماری ملاقات کس سہانے ماحول میں ہوئی تھی۔ ہم مصطفی کریم ﷺ کی محبتوں میں شریک ہوئے ۔ اب بھی کم از کم ہماری تمنا یہی ہے کہ اللہ اپنے حبیب کے دلیس میں بار بار جمع فرمائے تاکہ ہم حضور پر نور ﷺ کے فیضان سے اپنے قلوب کو منور کریں اور اپنی عقول کو جلا بخشیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنی عمدہ دعاؤں میں مجھے فراموش نہیں کریں گے۔ رسالتمآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان بھائی جب اپنے کسی دوسرے بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں دعا مانگتا ہے تو اسے رد نہیں کیا جاتا۔ بس اپنی صالح دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے۔ میں انہی نیک دعاؤں کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔ میری نیک تمنائیں آپ اور آپ کے احباب اور پاکستان کے ساتھ قائم رہیں گی۔

آپ کا بھائی

ابراہیم عثمان، اسیوط مصر

مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ حروف کے دوٹ عقیدت کے انتخاب میں بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ اس مرتبہ اسی پر اکتفا کرنا چاہوں گا وگرنہ سعودی عرب میں تو عرب مشائخ کے ساتھ شاہ جی کی بعض جیتی جاگتی بلکہ سلگتی غلطی لگ گئی، چھلکتی ضیافتوں کی کہانی دراز ہے جس کے بیان کے لئے کچھ وقت چاہیئے۔ شاہ جی کہتے ہوتے ہیں محبت کی کہانی مختصر بھی ہو تو اسے مزے لے لے کر بیان کرنا چاہیئے۔ انتظار کا شوق شعور میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ جب کہانی ہوئی دراز اور لکھنے والا بھی درماندہ راہ ہو تو پھر کیا کیجیے۔ بہر حال جذبہ یہی ہے۔

☆☆☆

دینی مسائل اور ان کا حل

"مسائل دین و دنیا" کے عنوان کے تحت قارئین کرام کے ان سوالات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں جو کارزار حیات میں مختلف اعمال و افعال کی بجا آوری کے دوران انسانی ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور پھر ذہنی و روحانی الجھنوں کا باعث بنتے ہیں۔ آپ کو بھی کوئی الجھن درپیش ہو یا ذہن کے نہاں خانے میں کوئی سوال پیدا ہو کر پریشان کر رہا ہو تو فوراً لکھیے۔ آپ کو ان شاء اللہ تعالیٰ اس سوال کا شافی و کافی جواب دیا جائے گا۔

محمد لیاقت علی مفتی

سوال: ہمارے علاقے میں ایک حاملہ عورت کا انتقال ہوا اس کے پیٹ کا بچہ 8 ماہ اور کچھ دنوں کا تھا۔ بچے کو بذریعہ آپریشن نکالنے کے معاملے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ صورت مذکورہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: ایسی عورت کا بچہ آپریشن کے ذریعے نکال لینا چاہیے۔ فقہ حنفی کے معروف عالم امام طحاوی علیہ الرحمہ کی ولادت کا واقعہ بھی یہی تھا۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے ایک دوسرے مسلک سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فقہ حنفی اختیار کیا تھا چونکہ ان کی ولادت ایسے ہی ہوئی تھی۔

سوال: بیماری کے باعث میرے چچا کو ڈاکٹر نے دودھ پینے کی تلقین کی ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ میں نے دودھ نہ پینے کی قسم کھائی ہے۔ اس صورت میں وہ کیا کریں؟

جواب: وہ دودھ پی لیں اور قسم توڑنے کے کفارے میں تین روزے رکھیں یا دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔ ترمذی شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا تھا ''اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرها خیرا منها فأت الذی هو خیر ولتکفر عن یمینک''۔

یعنی جب تو کوئی قسم اٹھائے اور اس کی مخالف تجھے بہتر لگے تو وہ بہتر کام کر لے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر۔

سوال: میرے بھائی نے اپنی بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ اگر فلاں فلاں کام تو نے کیا تو تیرے میرے درمیان کچھ نہیں بچے گا اس کی بیوی سے وہ کام ہو گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں طلاق ہو گئی جب کہ میرے بھائی کا کہنا ہے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی۔ شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: کنایہ الفاظ سے وقوع طلاق کے لئے نیت یا مذاکرہ طلاق شرط ہوتا ہے یہاں چونکہ دونوں چیزیں معدوم ہیں لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی۔

سوال: ایک آدمی دوران نماز وقت جاننے کی نیت سے اپنی کلائی پر باندھی گھڑی بار بار دیکھتا ہے تو اس کی نماز کا حکم کیا ہوگا؟

جواب: اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

سوال: قرآن وحدیث میں حمل کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کیا بیان کی گئی ہے؟

جواب: سورۂ احقاف آیت نمبر 15 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وحمله وفصاله ثلاثون شهرا'' اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ ہے۔ اس آیت میں دو چیزوں کی مدت بیان ہوئی ایک بچے کو دودھ پلانے کی اور دوسرا حمل کی۔ علماء احناف میں سے چونکہ صاحبین کے ہاں مدت رضاعت دو سال ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے ''والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین'' اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اب چونکہ مدت رضاعت دو سال یعنی چوبیس ماہ قرآن نے بیان کی تو سورۂ احقاف والی آیت کے تیس ماہ سے چھ ماہ باقی رہے جسے علماء نے کم از کم مدت حمل قرار دیا ہے۔ دوسرا یہ بھی کہ بعض علماء کے خیال میں حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت بھی اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال یعنی تیس ماہ ہے اور اس آیت میں ''حمل و فصال'' دونوں کی مدت تیس ماہ بیان ہوئی لہٰذا حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت بھی ڈھائی سال ہے۔ اسی لئے علماء نے یہ احتیاط بھی بتائی کہ عورت جب حاملہ ہو تو اسے اپنے حمل کی خبر گھر والوں کو کر دینی چاہیے۔

سوال: سٹاک ایکسچینج میں شیئرز کی خرید وفروخت سے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: بذات خود شیئرز کی خرید وفروخت میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ خریدنے والا جس کمپنی کے شیئرز خرید رہا ہے گویا اس کمپنی کے ساتھ نفع نقصان میں شراکت کا معاہدہ کر رہا ہے اور اس کا جواز ظاہر ہے۔ ہاں کسی ایسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت سے اجتناب کرنا چاہیے جو سودی لین دین کرتی ہو جیسے بنک وغیرہ۔

سوال: کبیرہ گناہ کون کون سے ہیں۔

جواب: حدیث مبارکہ میں درج ذیل سات گناہوں کو کبیرہ گناہ کہا گیا ہے۔

۱۔ شرک ۲۔ والدین کی نافرمانی ۳۔ شراب نوشی ۴۔ بدکاری

۵۔ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہونا۔ ۶۔ کسی کو ناحق قتل کرنا۔ ۷۔ کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگانا۔

اس کے علاوہ بھی علماء نے کبیرہ گناہوں کی اقسام کئی سو تک بیان کی ہیں۔ اس بارے میں بعض صوفیاء نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ ''بندہ جس گناہ کو چھوٹا سمجھے وہ کبیرہ ہے اور جسے بڑا سمجھے وہ صغیرہ ہے''۔ حکمت یہ ہے کہ چھوٹا سمجھے جانے والے گناہ کا وہ بے احتیاطی کے باعث بار بار مرتکب ہوگا اور صغیرہ کا اصرار بھی انہیں کبیرہ بنا دیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جسے سمجھتا ہی بڑا گناہ ہے ان سے وہ رکنے کی کوشش کرے گا یوں وہ گناہوں سے محفوظ ہوگا۔ لہٰذا یہ کبیرہ اس کے حق میں گویا کبیرہ ہے ہی نہیں۔

✿ سوال: مسجد کی اشیا، جیسے لاؤڈ سپیکر یا چٹائی وغیرہ مسجد انتظامیہ یا کوئی اور فرد اپنے ذاتی استعمال میں لا سکتا ہے؟ یہ بھی بتائیں کہ کیا مسجد کی یہ چیزیں کرائے پر دی جا سکتی ہیں؟

☆ جواب: ہر وہ چیز جو کسی نے خالصتاً مسجد کے لئے وقف کی ہے یا چندے کے پیسوں سے اسے خریدا گیا ہو کوئی بھی فرد اسے ذاتی استعمال میں نہیں لا سکتا چاہے وہ امام مسجد ہو یا انتظامیہ کا کوئی فرد۔ ایسے ہی مسجد کی ملکیتی اشیاء کو کرائے وغیرہ پر دینا لینا بھی جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی آدمی نے کوئی چیز وقف ہی اسی لئے کی ہو کہ وہ کرائے پر دی جائے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی امور مسجد پر خرچ کی جائے تو اس صورت میں ان چیزوں کا کرائے پر لین دین جائز ہوگا۔

✿ سوال: کیا زبردستی دلائی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

☆ جواب: اگر کسی نے بیوی کے لیے طلاق کے الفاظ استعمال کر لیے تو طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ اسے ایسا کرنے پر مجبور ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔

✿ سوال: ہمارے بیٹے نے شادی کے موقع پر اپنی بیوی کو تقریباً 2 لاکھ روپے کے تحائف دیے۔ اب بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے۔ از روئے شرع تحائف کس کی ملکیت ہیں؟

☆ جواب: شادی بیاہ یا دیگر مواقع پر خاوند اپنی بیوی کو جو کچھ بھی بطور تحفہ دے وہ اسی عورت کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ بلکہ رسول کریم ﷺ نے تو کسی کو بھی تحفہ دے کر واپس لینے سے منع فرمایا اور اسے قے کر کے دوبارہ چاٹنے سے تشبیہ دی۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احدٰھن قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا" اور اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مہر زیادہ بھی مقرر کیا جا سکتا ہے اور دوسری یہ کہ خاوند بیوی کو دیا گیا تحفہ، ہبہ وغیرہ واپس نہیں لے سکتا۔ اب اگر خاوند بذات خود لینے کا مجاز نہیں تو کسی اور کو یہ حق کیسے دیا جا سکتا ہے۔

✿ سوال: آج کل دفاتر وغیرہ میں ملازمین کو پینٹ شرٹ پہننے کا پابند کیا جاتا ہے۔ ٹی شرٹ کی آستینیں پوری نہیں ہوتیں ایسی صورت میں نماز کا حکم کیا ہوگا؟

☆ جواب: اگر کسی کے پاس پوری آستینوں والے کپڑے موجود ہوں اس کے باوجود وہ ہاف سلیو کپڑوں میں نماز پڑھے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ ایسے ہی اگر کپڑا تو پوری آستینوں والا ہے مگر وضو وغیرہ کرنے کے بعد آستین نیچے نہیں کرتا تو یہ صورت بھی مکروہ ہوگی۔ البتہ اگر کسی کے پاس دوسرے کپڑے ہیں ہی نہیں اور مجبوراً اسے انہی کپڑوں میں نماز پڑھنی پڑے تو ایسا کرنا بغیر کراہت جائز ہوگا۔

☆☆☆

لبیک یارسول اللہ سیمینار

منظور حسین اختر

یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی، گستاخانہ خاکوں اور قرآن پاک کی بے ادبی پر مشتمل فلم سے عالم اسلام جس کرب و اذیت میں مبتلا ہے، کسی ذی ہوش شخص سے پنہاں نہیں۔ چار دانگ عالم ہونے والے احتجاجی مظاہرے، ریلیاں، سیمینارز اور کانفرنسز اس کا بین ثبوت ہیں کہ ہر مسلمان اپنی اپنی بساط کے مطابق سراپا احتجاج بنا ہوا ہے۔ جماعت اہل سنت پاکستان ایک خالصتاً مذہبی غیر سیاسی تنظیم ہے جس کا مقصد اولین عزت و ناموس رسالت کا تحفظ اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہے۔ اہل مغرب کی جانب سے کی جانے والی گستاخیوں کے واقعات پر جماعت اہل سنت نے ہر مقام اور ہر موقع پر احتجاج کیا۔ 9۔ مارچ کو راولپنڈی میں ہونے والی آل پاکستان سُنّی کانفرنس، ہر صوبہ میں لبیک یارسول اللہ ریلیاں، سیمینارز اور احتجاجی مظاہرے اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ گزشتہ دنوں جماعت اہل سنت صوبہ پنجاب کی عزم و ہمت سے بھر پور، جواں ہمت اور بلند حوصلہ قیادت خصوصاً قاری خالد محمود اور علامہ مفتی محمد اقبال چشتی کی زیر نگرانی داتا علی ہجویری کے مزار شریف سے لے کر جی پی او چوک تک جو عظیم الشان اور کامیاب "لبیک یارسول اللہ ریلی" نکالی گئی وہ اپنی مثال آپ تھی۔ لاہور کے در و دیوار لبیک یارسول اللہ کی صداؤں سے گونج رہے تھے۔ اس کامیاب و کامران ریلی کے بعد کارکنوں میں گویا بجلی کی لہر دوڑ گئی چنانچہ صوبہ پنجاب کی سمجھدار قیادت نے 8۔ جون کو ایوان اقبال لاہور میں لبیک یارسول اللہ سیمینار کے انعقاد کا اعلان کر دیا۔ اعلان ہونا تھا کہ صوبہ پنجاب کی ذیلی تنظیمیں، خصوصاً لاہور ڈویژن اور ضلع لاہور حرکت میں آگیا۔ جگہ جگہ اشتہار، بینرز، کارنر میٹنگز، انفرادی دعوتیں اور اجتماعی کاوشیں کی جانے لگیں۔ ظاہر ہے ان سب کوششوں کی صوبہ پنجاب کے ناظم اعلیٰ مسلک حق اہل سنت کے بے باک ترجمان، خطیب اسلام مفتی محمد اقبال چشتی نگرانی کر رہے تھے اور آپ کا ساتھ جماعت کی ذیلی تنظیمیں خصوصاً لاہور سے پیر سید شمس الدین بخاری، پروفیسر محمد عبدالعزیز نیازی، قاری فیروز صدیقی، مولانا محمد سلیم ہمدمی اور قاری نذیر قادری و دیگر دے رہے تھے۔ ان کے علاوہ لاہور سے باہر دوسرے اضلاع کی تنظیمیں اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے سرگرم عمل ہوگئیں۔ لاہور انتظامیہ سے اجازت، ہال کی بکنگ اور جلسہ گاہ کی بینروں سے سجاوٹ کی ذمہ داری ضلع لاہور کے جواں سال ناظم اعلیٰ مولانا محمد سلیم ہمدمی نے احسن انداز سے نبھائی، جبکہ مختلف وفود کی شکل میں تقریباً ہر عالم دین اور شیخ طریقت کو دعوت دی گئی۔

8۔ جون کا سورج طلوع ہوا، اگرچہ سیمینار کا وقت ایک بجے دوپہر تھا لیکن 12 بجے ہی لوگ ایوان اقبال پہنچنا شروع ہو گئے، حتیٰ کہ ایک بجے تک ایوان اقبال کا وسیع ہال اپنی وسعتوں سمیت تنگ نظر آنے لگا۔ ایوان اقبال کے آڈیٹوریم سے ملحقہ مسجد میں نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد لبیک یارسول اللہ سیمینار کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ قاری ضمیر محمود یار سعیدی کی تلاوت اور حاجی ذوالفقار شمسی و قاری صدیق چشتی کی نعت کے بعد جب سٹیج سیکرٹری قاری نذیر احمد قادری نے تلاوت کلام پاک کے لئے استاذ القراء قاری غلام رسول کو دعوت دی تو سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا۔ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود قاری غلام رسول نے قرآن کے نور سے وہ سماں باندھا کہ آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آپ نے مختلف مقامات سے حضور ﷺ کے القابات والی آیات پڑھ کر قرآن کا نعتِ رسول مقبول ﷺ ہونا بھی ثابت کیا اور حاضرین کے جذبہ عشق رسول کو بھی مہمیز عطا کی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد ملک کے مشہور ثنا خواں قاری مختار احمد صدیقی اور ان کے ساتھی نے "لبیک یارسول اللہ" کے مصرع پر مبنی برموقع اور برمحل نعت سنا کر حاضرین کو جذبات کی رو میں بہا دیا۔ اس کے بعد خطابات کا سلسلہ شروع ہوا اور سب سے پہلے جماعت اہل سنت لاہور ڈویژن کے امیر پروفیسر محمد عبدالعزیز نیازی کا خطاب ہوا۔

پروفیسر محمد عبدالعزیز نیازی امیر لاہور ڈویژن:

آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال بنا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ گزشتہ سات سالوں کے اندر عراق میں 15۔ لاکھ اور افغانستان میں پانچ لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا جا چکا ہے۔ یاد رکھیں امن اور سلامتی کا پیغام صرف اسلام دیتا ہے، جب تک ایمان نہ لایا جائے گا دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکے گا۔ کائنات میں امن مدینہ کے صدقے قائم ہوگا۔ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنے فرائض پورے کرنے ہوں گے۔

پروفیسر صاحب کے خطاب کے بعد مائیک صوبہ پنجاب کے ناظم اعلیٰ مفتی محمد اقبال چشتی نے سنبھالا اور اپنے مخصوص دلنشیں، پرجوش اور ولولہ انگیز انداز کے ساتھ نہایت احسن طریقہ سے پروگرام کو چلانا شروع کیا، چنانچہ آپ نے استاذ العلماء شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی کو دعوت خطاب دی۔

مفتی محمد صدیق ہزاروی: مرکزی ناظم تعلیمات جماعت اہل سنت پاکستان

آپ نے اپنے پُر مغز، مدلل اور عالمانہ خطاب میں قرآن و حدیث اور اقوال آئمہ سے ثابت کیا کہ شاتم رسول کی سزا موت ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ کی گستاخی کرنے والے موت کو دعوت دیتے ہیں۔ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے حوالے سے کہا کہ حضور ﷺ

سے کامل محبت کی نشانی آپ کے دشمنوں سے کامل عداوت ہے۔ آپ نے کہا کہ محب، محبوب کی مخالفت کی تاب نہیں رکھتا۔ اسی طرح محبوب کے دشمنوں سے محبت نہیں رکھ سکتا۔

علامہ سید فدا حسین شاہ:

ملک کے مشہور و معروف خطیب نے اپنے زوردار خطاب میں کہا کہ اگر ملک کے کسی وزیر، جج یا اعلیٰ عہدیدار کی توہین کی جائے تو سارا قانون حرکت میں آجاتا ہے لیکن کس قدر ظلم ہے کہ حضورﷺ کے گستاخوں کے لئے قانون حرکت میں کیوں نہیں آیا۔ انھوں نے سیاستدانوں خصوصاً میاں نواز شریف اور آصف علی زرداری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ سب سے پہلے عزت و ناموس رسالت کی بات کرو۔

میاں مرغوب احمد:

مسلم لیگ ن کے رہنما نے کہا کہ جب تک اپنی جان مال حضورﷺ کے لئے قربان کرنے کا جذبہ پیدا نہ ہوگا کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ انھوں نے کہا کہ جس طرح مسلمان پس رہے ہیں یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔ حضورﷺ کے لئے اپنی جان قربان کرنا اور کٹ مرنا اعزاز کی بات ہے۔

پیر سید شمس الدین بخاری: امیر ضلع لاہور

عالم باعمل، شہرۂ آفاق خطیب اور ضلع لاہور کے امیر نے اپنے زوردار خطاب میں صوبہ پنجاب کی قیادت کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم صرف اور صرف عزت و ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور ضرورت پڑی تو اپنی جانوں کے نذرانے بھی پیش کرنے میں خوشی محسوس کریں گے۔ انھوں نے عالمانہ انداز میں کہا کہ حضورﷺ تو "محمدؐ" ہیں اور وہ "محمدؐ" ہی رہیں گے۔ انھوں نے کہا کہ آج اگر اقوام عالم پر غلبہ چاہتے ہو تو حضورﷺ کے لئے غیرت کا مظاہرہ کرو، ساری دنیا تمہارا احترام کرے گی۔

جسٹس میاں نذیر اختر:

آپ نے اپنا تحقیقی مقالہ پڑھتے ہوئے تاریخی اعتبار سے ثابت کیا کہ گستاخی رسول کے جرم کی سزا بلاشک وشبہ موت ہے۔ آپ نے دورِ رسالت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک صحابی نے گستاخی رسول پر اپنی بیوی کو قتل کردیا تو حضورﷺ نے اسے بری کردیا۔ انھوں نے کہا کہ حضور کے وصال کے بعد کسی شخص کو حضور کی گستاخی معاف کرنے کا حق حاصل نہیں۔ اُمت کا فریضہ ہے کہ گستاخوں کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ انھوں نے کہا کہ حضورﷺ کی ذات تو درکنار حضور کی قبرانور بلکہ نسبت والی ہر شے کی توہین جرم ہے۔ پاکستانی حکومت کے کردار پر نکتہ چینی کرتے ہوئے آپ نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ پاکستان کو گستاخ ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا چاہیئے تھا، لیکن افسوس کہ ہمارے صدر نے ناروے کا دورہ کیا اور ان گستاخیوں کے خلاف ایک لفظ بھی ادا نہ کیا۔

ڈاکٹر سید طاہر رضا بخاری:

آپ نے اپنے خوبصورت خطاب میں برجستہ شعروں کا نہایت دلنشیں انداز سے استعمال کیا خصوصاً اقبال کے حوالے سے عشق رسول کی آگ کو مزید گرماتے ہوئے کہا کہ مسولینی کو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ آپ اگر اسلامی نظام فکر کو اپنالیں تو پورے یورپ پر آپ کا تسلط قائم ہو جائے گا۔ آپ نے یہ شعر پڑھ کر اپنے مضمون کو تقویت دی:

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نا مکمل ہے

ڈاکٹر پروفیسر ساجد الرحمان:

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر نے کہا کہ حضورﷺ ہمارے دین وایمان کا مرکز ہیں اور اگر مرکز کو نکال دیا جائے تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ انھوں نے کہا کہ حضور کی اداؤں کا نام ہی شریعت ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر اپنی عظمت وشوکت رفتہ دوبارہ چاہتے ہو تو پھر پیچھے مڑکر دیکھنا ہوگا اور حضورﷺ کی گرد راہ کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا ہوگا۔ ہمیں اٹھنا بیٹھنا حضور کی سنت کے مطابق کرنا ہوگا۔ یہ افسوس کی بات نہیں کہ پاکستان میں 16 سالہ پڑھائی میں قرآن پاک بھی مکمل طور پر نہیں پڑھایا جاتا۔ کیا یہی حضورﷺ سے محبت ہے؟

مولانا غلام محمد سیالوی:

آپ نے اپنے مخصوص انداز سے کہا کہ یہ سیمینار حضورﷺ کی عزت وناموس کے لئے کفن باندھ کر نکلنے کا نام ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر ججوں کی بحالی کے لئے لانگ مارچ ہوسکتے ہیں تو عظمت رسول کے لئے لانگ مارچ کیوں نہیں ہوسکتا۔ انھوں نے کہا کہ آئیے اپنے اپنے زاویوں سے باہر نکل کر دنیا کو بتادیں کہ ہم عظمت رسول کے لئے جان قربان کرنے کو بھی تیار ہیں۔

حاجی محمد فضل کریم ایم این اے:

ممبر قومی اسمبلی نے قائدین صوبہ پنجاب کو اس عظیم الشان تقریب منعقد کرنے پر مبارکباد پیش کی اور کہا کہ ہم گستاخان رسول کے خلاف سیمینار میں شریک ہیں لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ Telenor کی سمیں ہماری جیبوں میں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بذریعہ اشتہار عوام سے اپیل کی جائے کہ گستاخ ممالک کی ہر شئے کا بائیکاٹ کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ گستاخانہ خاکوں کے خلاف میں نے جو قرارداد قومی اسمبلی میں پیش کی موجودہ حکومت جان بوجھ کر اسے دبائے ہوئے ہے۔ انھوں نے کہا کہ جماعت کے ہر پروگرام میں شامل ہونا بلکہ سر کے بل چل کر آنا فرض منصبی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ روحانی جماعت ہے اور اسی جماعت سے مجھے عزت ملی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم وکلاء تحریک کے ساتھ ہیں لیکن وکلاء سے بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے حقوق کے لئے آواز بلند کی جائے۔

حاجی محمد فضل کریم کے خطاب کے بعد صوبائی ناظم اعلیٰ مفتی محمد اقبال چشتی نے ولولہ انگیز اور محبت وعقیدت سے بھرپور انداز کے ساتھ جب مرکزی ناظم اعلیٰ مفکر اسلام مفسر قرآن پیر سید ریاض حسین شاہ کو دعوت خطاب دی تو پورے ہال میں موجود حاضرین کا جذبہ شوق دیدنی تھا۔

لبیک یارسول اللہ کی صداؤں میں جب مرکزی ناظم اعلیٰ نے خطاب شروع کیا تو پورا ایوان اقبال گویا سناٹے میں ڈوب گیا۔ شاید سوئی گرنے کی آواز بھی سماعتوں پر بوجھ تصور ہوتی۔ ان لمحات میں شاہ جی نے صوبہ پنجاب کی قیادت خصوصاً قاری خالد محمود اور مفتی محمد اقبال چشتی کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ ہمارے دور میں مادی لحاظ سے ترقی کا گراف اونچا ضرور ہوا ہے لیکن اقدار اور روحانیت زائل ہو گئی ہے۔ تہذیب مغربی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ جی نے کہا کہ بچھوؤں سے تہذیب نہیں سیکھی جا سکتی۔ انھوں نے کہا کہ اگر ہم مسلمان اپنا مذہب صحیح طریقے سے مان لیں تو ہمارے سارے مسئلے حل ہو جائیں۔ انھوں نے کہا آؤ کوشش کریں کہ اس دھرتی پر نظام مصطفےٰ نافذ ہو جائے۔ شاہ جی نے مسلمانوں پر یہود ونصاریٰ کے ظلم وستم کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ عراق میں تقریباً 15 لاکھ اور افغانستان میں 5 لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ دراصل وہ لوگ یارسول اللہ کہنے والی نسل کو ختم کرنا چاہتے ہیں لیکن یاد رکھیں! اگر میرے رسول کا نام نہ ہوگا تو تمہاری دنیا قائم نہ رہ سکے گی۔ انھوں نے کہا کہ ہم علماء ومشائخ سے درخواست کرتے ہیں کہ مدرسوں اور خانقاہوں میں پھر سے بہار لاؤ، اس دنیا میں آج بھی صوفیاء کے قدموں کے نشاں باقی ہیں۔ آپ نے چونکا دینے والے انکشافات کرتے ہوئے کہا کہ انگریزوں نے جرم اور مجرموں کو تقویت دینے کے لئے مختلف کتابیں لکھیں اور مسلمان ممالک میں پھیلا دیں تاکہ مسلمانوں میں لاقانونیت اور جرم عام کیا جا سکے۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل کتابوں کے نام بھی گنوائے جو آپ نے بذات خود ملاحظہ فرمائی تھیں:

1.How not to pay IncomTax

2.How to comit suicide

3.Two thousands Insults

4.How to comit fraud

5.How to kill your husband

مندرجہ بالا کتب کے نام ہی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی مہذب معاشرہ کی عکاس نہیں ہو سکتیں۔

آپ نے تمام مسلمانوں کو خوشخبری سناتے ہوئے کہا کہ وائٹ ہاؤس میں میلاد منانے کی اجازت امریکی انتظامیہ سے حاصل ہو گئی ہے، لہٰذا انشاء اللہ آئندہ سال 12 ربیع الاول کو امریکہ کے وائٹ ہاؤس میں محفل میلاد کا انعقاد کیا جائے گا اور اقوام عالم کو بتایا جائے گا کہ اگر دنیا کو بچانا ہے تو حضور ﷺ کے قدموں میں بیٹھنا ہوگا۔

شاہ جی کے خطاب کے بعد جماعت اہل سنت صوبہ پنجاب کے امیر قاری خالد محمود نقشبندی نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں اس سیمینار کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائی۔ اس کے بعد مرکزی امیر حضرت علامہ پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی کو خطبہ صدارت کی دعوت دی گئی تو تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر آپ کا نعروں کی گونج میں والہانہ استقبال کیا۔

پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی: مرکزی امیر جماعت اہل سنت پاکستان:

آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا کہ موجودہ صورتحال میں مسلمانوں کے لئے جس نعرہ مستانہ کی ضرورت ہے وہی اس سیمینار کا موضوع اور عنوان ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضور ﷺ کی نسبت ہی ہماری جان اور ہماری پہچان ہے۔ دین کی اصل اور نجات کی راہ حضور ﷺ ہی کی ذات اقدس ہے۔ بندگی کی انتہا حب رسول کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مسلمانوں کے احوال پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ہمیں سوچنا

چاہیئے کہ آج ہم حُبِ رسول کے معیار پر کس قدر پورا اترتے ہیں، دامن رسول سے ہماری وابستگی کتنی گہری ہے۔ انھوں نے کہا کہ صرف کھانا پینا ہی زندگی نہیں بلکہ زندگی وہ ہے جو شرف انسانیت کے تقاضے پورے کرنے والی ہو۔

سیمینار کی کارروائی کے دوران سٹیج سیکرٹری صوبائی ناظم اعلیٰ اور ناظم سیمینار حضرت مفتی محمد اقبال چشتی اپنی ولولہ انگیز، پرجوش اور عشق و مستی میں ڈوبی نقابت سے حاضرین کو مستفید فرماتے رہے۔ آپ نے کہا کہ ہم اس سیمینار میں صرف اور صرف حضور ﷺ سے وفا کے رشتے کو مدنظر رکھتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے حاضرین کے جوش وجذبے کو مہمیز لگاتے ہوئے کہا کہ گرمی کے اس موسم میں آپ لوگوں کا عزت وناموس مصطفےٰ کے لئے گھروں سے نکلنا حضور ﷺ خود ملاحظہ فرمارہے ہیں اور گرمی عشق رسول نے آپ کو موسمی گرمی سے محفوظ بنادیا ہے، بلکہ یقیناً آپ جہنم اور محشر کی گرمی سے بھی محفوظ ہوگئے ہیں۔ آپ کی نظامت کے دوران پورا آڈیٹوریم مندرجہ ذیل نعروں سے گونجتا رہا:

نعرہ تکبیر اللہ اکبر

نعرہ رسالت یارسول اللہ ﷺ

ہر مومن کی صدا لبیک یارسول اللہ

غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے

جو ہو نہ عشق مصطفےٰ تو زندگی فضول ہے

آخر میں قاری غلام رسول نے سلام کے اشعار پڑھ کر حاضرین پر رقت طاری کردی۔ سلام کے بعد اجمیر شریف کے سجادہ نشین سید بلال حسین چشتی کی دعا سے اس عظیم الشان، فکری اور تاریخی سیمینار کا اختتام ہوا۔

سیمینار میں جن شخصیات نے شرکت کی ان میں نمایاں طور پر مفتی غلام سرور قادری، میاں محمد ابوبکر نقشبندی مجددی آستانہ عالیہ شرقپور شریف، صاحبزادہ عبدالمصطفےٰ ہزاروی جامعہ نظامیہ لاہور/شیخوپورہ، صاحبزادہ رضائے مصطفےٰ نقشبندی، علامہ حافظ عبدالستار سعیدی، حضرت پیر قاضی محمود احمد اعوان شریف، الحاج قمر سلطان امیر افضل آستانہ عالیہ حضرت سلطان باہو، پیر ظفر اقبال، صاحبزادہ صفدر گیلانی، میاں غلام شبیر قادری، محمد نواز کھرل، قاری محمد فیروز احمد صدیقی، مولانا محمد سلیم ہمدمی اور جماعت کی دیگر تنظیموں کے راہنماؤں اور علماء ومشائخ نے بھرپور شرکت کی۔

سیمینار میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کی گئیں:

۱۔ گستاخانہ ممالک سے سفارتی تعلقات ختم کئے جائیں۔

۲۔ نظام مصطفےٰ کا فوری نفاذ کیا جائے۔

۳۔ تحفظ ناموس رسالت کے سلسلہ میں اقوام متحدہ میں قانون سازی کرائی جائے۔

۴۔ امتناع قادیانیت آرڈیننس پر مکمل عملدرآمد کرایا جائے۔

۵۔ حکومت اسلامی اقدار کی پامالی سے باز رہے۔

۶۔ ججوں کو بحال کیا جائے۔

۷۔ میڈیا سے فحاشی اور عریانیت کا خاتمہ کیا جائے۔

۸۔ پاکستان میں غیر ملکی مداخلت کا سدباب کیا جائے۔

۹۔ مسلمان فوج کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام بند کیا جائے۔

۱۰۔ مہنگائی پر کنٹرول کیا جائے۔

☆☆☆

لبیک یارسول اللہ کانفرنس سیالکوٹ

حافظ محمد رضوان یوسف

پاکستان سنی کانفرنس راولپنڈی (۹۔مارچ) میں جماعت اہل سنت پاکستان کی بیدار مغز اور پرعزم قیادت نے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف جس جاندار انداز میں صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ اس کی بازگشت ملک کے کونے کونے سے سنائی دے رہی ہے۔ خیبر سے لے کر کراچی تک فضائیں "لبیک یارسول اللہ" کے نعروں سے گونج رہی ہیں۔ لبیک یارسول اللہ ریلی لاہور (24 اپریل) سے لے کر تحفظ ناموس رسالت ریلی کراچی (3 مئی) تک اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

شہر اقبال کے باسیوں کی آواز کو اس تحریک کا حصہ بنانے کے لئے جماعت اہل سنت پاکستان ضلع سیالکوٹ نے ایک فقید المثال اور باوقار "لبیک یارسول اللہ کانفرنس" کا انعقاد کیا۔ کانفرنس 24۔مئی بروز ہفتہ بعد نماز عشاء دربار امام علی الحق شہیدؒ کے وسیع و عریض گراؤنڈ میں منعقد ہوئی۔ شہر بھر میں لگے خوبصورت پوسٹر، جگہ جگہ کی گئی وال چاکنگ، سُنی تنظیمات کے تائیدی بینرز اور تمام سڑکوں پر لگے بڑے بڑے فلیکس سائن بورڈ جہاں کانفرنس کی تیاریوں کا پتہ دے رہے تھے وہاں صدر جماعت ضلع سیالکوٹ جناب علامہ خضر حیات رضوی اور ان کی ٹیم کی دن رات کی مسلسل محنت کی گواہی بھی پیش کر رہے تھے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ جب سے علامہ خضر حیات رضوی ضلعی صدر اور علامہ ضیاء الحق رضا جنرل سیکرٹری بنے ہیں، جماعت میں اک تحرک پیدا ہوا ہے۔ سنی کانفرنس میں شمولیت کا معاملہ ہو یا لبیک یارسول اللہ ریلی میں شرکت کا موقع ضلع سیالکوٹ کی نمائندگی کو بھرپور رکھنے میں ہر دو شخصیات اور ان کی ٹیم کی کوششیں قابل ستائش ہیں۔ لبیک یارسول اللہ کانفرنس انہی کوششوں کا ایک خوبصورت تسلسل ہے۔

کانفرنس کے لئے منتخب کردہ پنڈال کو بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ حاضرین کے بیٹھنے کے لئے وسیع و عریض گراؤنڈ میں کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ جبکہ قائدین اور مہمانان گرامی سٹیج پر جلوہ فرما تھے۔ عشاء کی نماز کے فوراً بعد جب علامہ ضیاء الحق رضا نے نقابت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے کانفرنس کا باقاعدہ آغاز کیا تو پنڈال میں تمام نشستیں حاضرین سے پر ہو چکی تھیں۔ تلاوت و نعت کے بعد مقامی علمائے کرام کے خطابات کا سلسلہ شروع ہوا اور ساتھ ہی ساتھ یہ اعلان بھی حاضرین کے قلب و جگر کو تسکین بخشتا رہا کہ تھوڑی ہی دیر میں مفکر اسلام، مفسر قرآن، امیر ملت قائد اہل سنت حضرت علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان کانفرنس میں جلوہ فرما ہونگے۔ کانفرنس کے اشتہار پر اگرچہ اور بھی قائدین کے نام درج تھے۔ مگر تند و تیز موسم کی وجہ سے پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی اور شاہ جی کے علاوہ دیگر مہمان حسب پروگرام پہنچ نہ سکے۔ سٹیج پر موجود علمائے کرام میں علامہ حافظ نیاز احمد الازہری، قاری عنایت اللہ قادری، علامہ سید علی رضا شاہ، مولانا صفدر علی پسیہ، علامہ خاور نقشبندی، علامہ عبدالحمید چشتی، علامہ ظفر اقبال محسن کے علاوہ مہمانان گرامی میں چوہدری طاہر محمود ہندلی، ایم پی اے اور حافظ محمد رضا شامل تھے۔ اہلیان سیالکوٹ ہاتھوں میں گنبد خضریٰ والا جھنڈا اٹھائے سینوں پر "صدقے یارسول اللہ" کا بیج لگائے اور زبانوں پر "لبیک یارسول اللہ" کے نغمے سجائے، والہانہ اپنی عقیدتوں کا اظہار اپنے کریم آقا ﷺ سے کر رہے تھے تقاریر کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک موسلا دھار بارش شروع ہو گئی بارش کی شدت اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے جنریٹر جس سے لائٹنگ اور لاؤڈ سپیکر کا نظام منسلک تھا وہ بھی ٹرپ کر گیا۔

ابھی چند لمحے قبل جس گراؤنڈ میں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں مل رہی تھی اندھیرے اور بارش کی وجہ سے تقریباً خالی ہو چکا تھا البتہ سٹیج پر موجود علماء کرام اور چند عاشقان رسول جو سٹیج کے قریب آ کر دیوانہ وار لبیک یارسول اللہ کا ورد کر رہے تھے وہ گراؤنڈ میں ثابت قدم رہے۔ اسی دوران کروڑوں سنیوں کے دلوں کی دھڑکن اور اہل سنت کی محبتوں کے مرکز و محور قائد اہل سنت علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب بھی سٹیج پر جلوہ فرما ہوئے۔ شاہ جی کو دیکھ کر علماء کرام کے چہرے کھل اٹھے اور ان کے ٹوٹتے ہوئے حوصلوں کو ایک نئی توانائی میسر آ گئی۔ قائد اہل سنت کا سٹیج پر آنا تھا کہ بجلی کی رونقیں بھی بحال ہو گئیں اور ساؤنڈ سسٹم بھی ٹھیک ہو گیا۔ لوگ دیوانہ وار شاہ جی پر اپنی عقیدتیں نچھاور کر رہے تھے کوئی قدموں سے لپٹ کر بوسے لے رہا تھا کوئی ہاتھوں کو چوم رہا تھا "سنیوں کے شہنشاہ ریاض شاہ ریاض شاہ" کا نعرۂ مستانہ جب بلند ہوا تو وہ لوگ جو بارش کی وجہ سے "پناہ گاہوں" کی تلاش میں سرگرداں تھے جوق در جوق پنڈال میں آ موجود ہوئے۔ شاہ جی کو سٹیج پر دیکھ کر لوگ بارش کی شدت کو بھول گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جلسہ جو بارش کی وجہ سے تقریباً ویران ہو چکا تھا شاہ جی کے بابرکت قدموں کے طفیل پھر سے آباد ہو گیا۔ اب کہ کانفرنس کا ماحول دیدنی تھا ایک طرف چھم چھم برستی بارش اپنے پورے جوبن پر تھی اور دوسری طرف غلامان رسول ﷺ والہانہ حضور انور ﷺ سے اظہار عقیدت کر رہے تھے۔

خطابات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ مولانا عبدالحمید چشتی کے مختصر خطاب کے بعد علامہ قاری خالد محمود صدر جماعت اہل سنت صوبہ پنجاب خطاب کے لئے تشریف لائے ان کے خطاب کے دوران ہی جانشین شیخ الحدیث جناب صاحبزادہ حافظ حامد رضا مرکزی نائب ناظم

جماعت اہل سنت پاکستان بھی سٹیج پر تشریف لے آئے۔ صاحبزادہ صاحب کے لیٹ آنے کی وجہ ان کا ایکسیڈنٹ سے فریکچر ہوا بازو تھا لیکن وہ ڈاکٹر کی ہدایات کو نظر انداز کرتے ہوئے برستی بارش میں اپنے زخم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کانفرنس کی رونق بنے۔ صاحبزادہ صاحب کی آمد سے کچھ دیر بعد امیر اہل سنت جگر گوشہ غزالی زماں حضرت پروفیسر پیر سید مظہر سعید کاظمی بھی تشریف لے آئے آپ کا بھی والہانہ نعروں سے استقبال کیا گیا۔ قاری خالد محمود کے خطاب کے بعد صاحبزادہ حافظ حامد رضا گفتگو کے لئے تشریف لائے اور امیر اہل سنت اور قائد اہل سنت کے حضور ہدیہ سپاس پیش کیا کہ موسم کی سختی کے باوجود آپ کانفرنس میں تشریف لائے۔

صاحبزادہ صاحب کی گفتگو کے بعد پروفیسر پیر سید مظہر سعید کاظمی امیر جماعت اہل سنت پاکستان خطاب کے لئے تشریف لائے آپ نے فرمایا کہ آج یورپ اسلام اور بانی اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں وہ مسلمانوں کا اپنے آقا کریم ﷺ سے رشتہ کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ وہ نام نہاد آزادی اظہار رائے کے نام پر عالم اسلام کا امن تہہ و بالا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آزادی اظہار رائے کا ڈرامہ اس وقت ناکام نظر آتا ہے جب وہ ہولوکاسٹ پر بات کرنے کو جرم قرار دیتے ہیں۔ امیر اہل سنت کے خطاب کے بعد جب علامہ ضیاء الحق رضا نے خصوصی خطاب کے لئے قبلہ شاہ جی کو دعوت دی تو سارا پنڈال استقبال کے لئے کھڑا ہو گیا نعروں کی گونج میں مفکر اسلام، مفسر قرآن علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب نے خطاب شروع فرمایا۔ آپ نے فرمایا موسم کی تندی اور تیزی کے باوجود عشق رسول کا چراغاں کرنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں آپ کو اس سے بھی زیادہ سخت ماحول کی طرف لے چلتا ہوں جب سورج سوا نیزے پر آگ برسا رہا تھا اور زمین کوئلہ بنی ہوئی تھی اور بلال ﷺ اس پر لیٹے ہوئے لبیک یا رسول اللہ کا نعرہ لگا رہے تھے۔ شاہ جی نے فرمایا اے غلامان رسول تمہارا عشق رسول قبول ہے، تمہارے جذبے قبول ہیں، تمہاری عقیدتیں اور محبتیں بارگاہ رسالت میں قبول ہیں۔ آپ نے اپنے نورانی اور وجدانی خطاب میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے غلامو! عشق رسول ﷺ تمہارا سرمایہ ہے لہٰذا جان دے دو لیکن اس دولت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ انہوں نے کہا کہ اہل سنت پرامن لوگ ہیں، ہم فرقہ واریت اور دہشت گردی پر یقین نہیں رکھتے، ہمارا دین محبتوں کا دین ہے، ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی برگزیدہ نبی اور پیغمبر مانتے ہیں، ہم کسی نبی کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اسلام دشمن اور پاکستان دشمن تو تمیں جان لیں کہ ہم اپنے حقوق کا تحفظ کرنا جانتے ہیں۔ شاہ جی کے بصیرت افروز خطاب کے بعد یہ عظیم الشان کانفرنس حافظ حامد رضا کی دعا کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچی۔

☆☆☆

روزنامہ اوصاف کے ایڈیٹر مہتاب عباسی کے بھائی انتقال کر گئے، سید ریاض حسین شاہ صاحب مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت پاکستان، اعلیٰ سطحی جماعتی وفد کے ساتھ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرما رہے ہیں

جماعت اہلسنت ڈیرہ اسماعیل خاں کا نمائندہ وفد مرکزی ناظم اعلیٰ سے ملاقات کر رہا ہے

اکبریہ گرلز کالج میانوالی کے افتتاحی مناظر

جماعت اہلسنت ضلع میانوالی کے تربیتی کنونشن کی تصویری جھلکیاں

اکبریہ گرلز کالج میانوالی سے ملحقہ قطعہ اراضی پر عظیم الشان مسجد کا سنگ بنیاد سید ریاض حسین شاہ مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت پاکستان نے رکھا۔ شاہ جی، صاحبزادہ عبدالمالک، سید نصیر الدین شاہ، مفتی محمد اقبال چشتی اور علامہ منظور سیالوی دعا کر رہے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ اکبریہ کے سالانہ اجلاس میں شاہ جی خطاب کر رہے ہیں

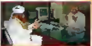

جماعت اہلسنت پاکستان کی مرکزی انتظامیہ کا اجلاس
سید مظہر سعید کاظمی صدارت کر رہے ہیں جبکہ سید ریاض حسین شاہ
اراکین کو اہم مسائل پر بریفنگ دے رہے ہیں

تصویری جھلکیاں

لبیک یارسول اللہ ﷺ سیمینار

ایوانِ اقبال لاہور

ایوان اقبال